جھوٹ اور روزہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ وَ الْجَهْلَ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ ۔

[رواہ البخاری وابوداؤد، واللفظ لہ]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا اور جہالت (کے کاموں) کو نہیں چھوڑتا، تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔'' [بخاری وابوداؤد، بالفاظ ابوداؤد]

سلامتی کی راہ

ہمارے لیے سلامتی کی راہ یہ ہے کہ ہم قرآن وسنت کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں اور باقاعدگی سے پانچ وقت کی نماز شروع کردیں، حضرات اپنے بیٹوں کے ساتھ مساجد میں جائیں اور خواتین اپنی بیٹیوں کے ساتھ گھروں میں نماز ادا کریں بلکہ اسلامی حکومت کی بنیادی ذمہ داریوں میں نظامِ صلوٰۃ وزکوٰۃ کا قیام بھی ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ [الحج ٢٢:٤١]

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو نظامِ صلوٰۃ وزکوٰۃ قائم کریں۔ بھلے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں، (یادرکھیں) کہ سب امور کا انجام تو اللہ کے ہاتھ میں ہے (وہ بالآخر ہر چیز کا حساب لے گا۔)''

ہمارے یہاں کے حکم رانوں کو اسلامی نظام کے اِجراء کی توفیق آج تک نصیب نہ ہوسکی۔ نتیجتاً اس وقت قوم کا اخلاقی گراف انتہائی پست ہوچکا ہے۔ نوجوان نسل اخلاقی تربیت ونگہداشت سے محروم ہے۔ کتنے بچے اور نوجوان پانچ وقت مساجد میں جاتے ہیں؟ مختلف کھیلوں کا انہیں رسیا بنادیا گیا ہے خاص طور پر کرکٹ سے تو پوری قوم کی صحت اور وقت برباد ہورہا ہے۔ دن رات ٹی وی پر میچوں کی یلغار ہے لڑکے محلوں، پارکوں، سڑکوں اور گلی کوچوں میں کھیل میں لگے رہتے ہیں۔ جس سے اوقات بری طرح متاثر ہورہے ہیں، جو قوم رات بارہ، ایک بجے تک میچ یا فلمیں دیکھے گی، کیا وہ وقت پر نمازِ فجر ادا کرسکے گی؟ والدین بھی اس ابتری کے آگے بے بس ہوچکے ہیں، اس وقت ہماری مثال اس جہاز کی سی ہے جو بغیر کپتان کے سمندر میں بہہ رہا ہے جس کی کوئی منزل نہیں۔

ربّ کریم سے التجا ہے کہ اسے کنارے لگادے اور اس کے لیے کوئی مسلمان، سمجھدار، کپتان مہیا فرمادے، آمین۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

[شریعت اسلامیہ کے محاسن، حصہ اوّل، ص: ۳۰، ۳۱]

فہرست

دعا کی قبولیت

﴿وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لا فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ﴾ [الحج: ٤٥]

''اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو انھیں کہہ دو میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا سنتا ہوں جب بھی وہ مجھے بلائے تو وہ میری بات بھی قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں۔''

صفات فاضلہ کا صلہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا آج تم میں روزہ دار کون ہے؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں ہوں۔ پھر آپ نے پوچھا تم میں سے آج جنازہ کے ساتھ کون گیا؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں گیا۔ پھر آپ نے پوچھا آج تم میں سے مسکین کو کھانا کسی نے کھلایا؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے کھلایا۔ پھر آپ نے پوچھا آج تم میں سے بیمار کی بیمار پرسی کس نے کی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے کی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما اجتمعن فی امرء الا دخل الجنة ۔ [مسلم: ٨٧/ ١٠٢٨]

''جس شخص میں بھی یہ صفات اکٹھی موجود ہوں وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''

عن سلمان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِ مِنْ عَبْدِهٖ ...... اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَيْهِ ...... اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا ای خَالِيًا ۔ [ابوداؤد: ١٤٨٨ قال الالبانی صحیح قطعا]

''تمہارا رب حیا والا عزت والا ہے جب اس کا بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو انھیں خالی واپس کرنے سے شرماتا ہے۔''

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کو معلوم ہو کہ میں گناہ معاف کرنے کی طاقت رکھتا ہوں تو میں اس کے گناہ معاف کر دیتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا مگر شرط یہ ہے کہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو۔

فلاحی ریاست کا تصور اور پاکستان

اداریہ ملک عصمت اللہ

فلاحی ریاست کا تصور کیا ہے؟ اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے ان حقوق وفرائض کا جائزہ لینا ضروری ہے جو ایک فلاحی ریاست میں ایک شہری کو حاصل ہوتے ہیں یا ہونے چاہئیں۔

⊙ ایک شہری کا سب سے پہلا حق جان ومال کا تحفظ ہوتا ہے۔⊙ ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنی ریاست کے دائرے کے اندر بسنے والے ہر شخص...... چاہے وہ کوئی بھی ہو...... کے جان و مال کی حفاظت کرے۔⊙ دوسرا حق عزت آبرو کا تحفظ۔⊙ تیسرا شخصی آزادی⊙ اور چوتھا ظلم کے خلاف احتجاج کا ہے۔ اگر کوئی ظالم دوسرے شخص کا حق بزورِ قوت سلب یا غصب کرے تو حکومت کا فرض بنتا ہے کہ مظلوم کے احتجاج کا نوٹس لے اور اسے ظالم کے ظلم سے بچائے۔⊙ حکومت کسی پر خود ظلم کرے نہ کسی دوسرے کو کسی پر ظلم کرنے کی اجازت دے۔⊙ ہر شہری کا یہ بھی حق ہے کہ اسے آزادئ ضمیر واعتقاد اور آزادئ اظہار رائے حاصل ہو۔⊙ اس کا یہ بھی حق ہے کہ حصولِ انصاف کے لیے کسی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے تو عدالت اسے انصاف فراہم کرے۔⊙ اسے کاروبار اور معاشی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کی آزادی ہو۔ بالفاظ دیگر اسے معاشی تحفظ بھی حاصل ہو۔ اور اسے کسی بھی جگہ بود وباش اختیار کرنے اور نقل وحرکت میں آزادی کا حق بھی میسر ہو۔⊙ ہر مزدور کو یہ حق حاصل ہو کہ اس سے کسی قسم کی بیگار نہ لی جائے اور اسے اس کی محنت کا معقول معاوضہ دیا جائے۔ اس کے مالی، جسمانی نقصان کی تلافی کی جائے اور اس پر اس کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔

یہ ہیں وہ چند نکات جن پر فلاحی ریاست کا تصور مبنی ہے۔ ان نکات کو کسوٹی بنا کر پاکستان کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو صورتِ حال انتہائی مایوس کن نظر آتی ہے۔ اخبارات پر ایک نگاہ ڈالی جائے تو قتل کے روزانہ بیسیوں واقعات رپورٹ ہوتے ہیں۔ نہ جانے کتنے واقعات کی اطلاع تھانوں تک پہنچ ہی نہیں پاتی یا پولیس اپنا ریکارڈ درست رکھنے کے لیے ایف آئی آر درج کرنے سے گریزاں ہوتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس ملک میں آدمی کی جان کی کوئی قیمت نہیں رہی۔ ٹارگٹ کلنگ کے واقعات مسلسل ہو رہے ہیں۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر سے علی شیر حیدری تک مختلف مکاتب فکر کے سینکڑوں علماء حادثاتی اموات کا شکار ہو چکے ہیں۔

ایسے حوادث اور اموات کی اوّل تو سرے سے ہی تفتیش نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ مجرم بے نقاب نہیں ہو پاتے اور اگر سرکاران تک پہنچ بھی جائے...... نہ پہنچنا کیسے ممکن ہے؟...... تو انہیں کوئی سزا نہیں ملتی بلکہ الٹا انہیں تحفظ دینے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ جنابہ بے نظیر کو سرراہ اور سرعام قتل کر دیا گیا۔ ملکی ایجنسیاں ان کے قتل کی وجوہات معلوم کرنے اور اس کے مجرموں کو تلاش کرنے میں بہ ظاہر ناکام نظر آتی ہیں یا پھر ان پر اعتماد کا فقدان ہے جسے ان کی کارکردگی پر ایک سوالیہ نشان بھی کہا جا سکتا ہے۔ اب اقوام متحدہ کا مشن اس کی تحقیقات کر رہا ہے جو ''وہی لے ثواب الٹا'' والی بات ہے۔ لیکن نتیجہ تا حال وہی ڈھاک کے تین پات! لال مسجد اسلام آباد میں قتل عام کرنے والے مجرم سے ساری دنیا آگاہ ہے لیکن وہ سرعام دندنا رہا ہے اور اس کا احتساب کرنے کے بجائے اس کو قانونی تحفظ فراہم کرنے کے حیلے تلاش کرنے کی بھرپور کوششیں ہو رہی ہیں۔

پاکستان کے باسیوں کی عزت وآبرو بھی محفوظ نہیں۔ ایک مقامی ایم پی اے پر ایک خاتون نے اپنی عزت لوٹنے کا مقدمہ کر دیا تو جرم کی شدت

یہ کہہ کر کم کرنے کی کوشش کی گئی کہ زنا باہمی رضامندی......جس کی مشرف دور میں حقوقِ نسواں کی آڑ میں اجازت...... سے ہوا ہے اس لیے ہم کچھ نہیں کر سکتے یا یہ کہ......خاتون نے اپنا مقدمہ واپس لے لیا ہے۔سوال یہ ہے کہ نظریہ پاکستان (جسے اسلام کہا جاتا ہے) کی رو سے باہمی رضامندی سے ہونے والا زنا یا مقدمہ واپس لے لینے سے کیا جرم، جرم نہیں رہتا؟ جہاں عزتوں کے رکھوالے اربابِ اختیار عزتوں کی حفاظت کی بجائے عزتیں لوٹنے والوں کے محافظ بن جائیں تو وہاں عزت وآبرو کا تحفظ کیا خواب وخیال نہیں بن جاتا؟

کسی فلاحی مملکت میں کسی شہری کو کھلی عدالت میں جرم ثابت کیے بغیر قید وبند میں نہیں رکھا جا سکتا اور نہ ہی محض شک وشبہ کی بنا پر کسی کو جیل میں ڈالا جا سکتا ہے۔لیکن پاکستان کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔''امتناعی نظر بندی'' اور ''ریاست کی سلامتی'' کے نام پر قانون میں کتنے ایسے حیلے موجود ہیں جن کی آڑ لے کر شہریوں کو مہینوں نہیں برسوں کے لیے جیلوں کی نذر کر دیا جاتا ہے۔اب تو معاملہ بہت دور نکل گیا ہے۔شہری یوں غائب کر دیئے جاتے ہیں کہ ان کا اَتا پتا تک نہیں ملتا۔جب حکمران شہریوں کو پکڑ کر غیر ملکیوں کے ہاتھوں فروخت کر کے ڈالر کمانے کا ڈھٹائی سے اعتراف بھی کر لیں اور قانون موم کی ناک بن کر بے بس ہو جائے تو پھر باقی کیا بچا؟

اس ملک میں کسی کو ظلم کے خلاف احتجاج کا حق بھی حاصل نہیں۔اگر کوئی احتجاج کرنے کی جسارت کر بھی لے تو پولیس اس پر ڈنڈے برسا کر اس پر مزید ظلم ڈھاتی ہے پرویز مشرف نے بیک جنبش قلم ساٹھ ججوں کو ظلماً برطرف کر دیا تو اس کے خلاف عوام میں احتجاج کی ایک زبردست لہر اٹھی۔ پولیس نے اس احتجاج کو دبانے کے لیے مال روڈ پر وہ معرکہ بپا کیا جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔یہ الگ بات ہے کہ وہ اس احتجاج کو دبانے سے قاصر رہی اور کالے کوٹوں کا سرخ خون رنگ لے آیا۔

آزادئ اظہار رائے کے بڑے بلند بانگ دعوے کیے جاتے ہیں لیکن عملاً صورت حال کیا ہے۔بار خاطر بننے والے پروگرام نشر کرنے پر ٹی وی نشریات بند کر دی جاتی ہیں۔ٹی وی والے باز نہ آئیں تو ان کے دفاتر پر حملے کیے جاتے ہیں۔اخبارات ورسائل کے ڈیکلریشن منسوخ کر دیئے جاتے ہیں یا ان پر سنسر شپ نافذ کر کے ان کی زبان کاٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اگر کوئی سخت جان نکلے تو اسے جان سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔

تاجروں اور کارخانہ داروں کو بھی معاشی تحفظ کا حق ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ عوام کو بھی تو معاشی تحفظ کا حق حاصل ہونا چاہیے۔تاجر اور کارخانہ دار جب مار دھاڑ پر اتر آئیں تو حکومت کا فرض ہے کہ ان کی اس یلغار کے خلاف عوام کو بھی معاشی تحفظ فراہم کرے۔لیکن جب حکومت خود تاجر بن جائے یا کارخانہ داروں کے مافیہ کے ساتھ ساز باز کر لے اور ان کو من مانیاں کرنے کی اجازت دے دے تو اس سے کئی بحران جنم لیتے ہیں حالیہ چینی کا بحران اسی حکومتی پالیسی کا نتیجہ ہے کہ حکومت خود تاجر بن گئی ہے۔پچیس روپے فی کلو کی خرید کردہ چینی ۴۵۔۴۰ روپے کلو فروخت کر کے قوم پر اسی طرح احسان جتایا جا رہا ہے جس طرح ایک دور میں -/240 روپے من سے آٹا -/350 روپے تک لے جا کر احسان جتایا گیا تھا۔اس معاملہ میں حکومت اور اپوزیشن من وتو کا فرق مٹا کر ایک ہو چکے ہیں اس لیے کہ دونوں جمہوریت کے محافظ سیاست دان ہیں (۷۹ شوگر ملوں سے ۴۷ سیاست دانوں کی ملکیت ہیں۔) وفاقی وزارت پیداوار نے تو انتہا کر دی ہے۔سیاست دان چینی چور مافیہ کے ساتھ ساز باز کر کے 49.75 ریٹ مقرر کرنے کا معاہدہ کر لیا ہے۔جس حکومت کا نقطۂ نظر منافع کمانا اور حکمرانوں کا ذاتی مفادات کا حصول بن جائے وہاں عوام کے معاشی تحفظ کا سوال کیا باقی رہ جاتا ہے۔

علاقائی تعصّبات کو اس حد تک ہوا دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ پاکستان کے ایک علاقے کے شہریوں کو دوسرے علاقے میں رہنا اور بسنا دشوار بنا دیا گیا ہے۔مزدور کا دن رات استحصال ہو رہا ہے۔ان کی کم از کم اجرت اتنی بھی نہیں جو ان کے گھر کے چراغ کو تیل فراہم کر سکے۔اگر غربت کے مارے یہ لوگ سستے آٹے اور سستی چینی کے حصول کے لیے کوشش کرتے ہیں تو انہیں آٹا چینی تو نہیں ملتے ہاں البتہ پولیس کے ڈنڈے مل جاتے ہیں جو کھا کر وہ مایوس لوٹتے ہیں۔غریب پروری اور مزدور نوازی کے وہ فلک شگاف نعرے اور دعوے خدا جانے کیا ہوئے؟

ان حالات کی روشنی میں غور فرمائیں کہ پاکستان واقعی ایک فلاحی مملکت ہے؟

احکام ومسائل

رمضان المبارک ②

فضائل، فوائد وثمرات، احکام ومسائل اور کرنے والے کام

حافظ صلاح الدین یوسف

روزے کے فوائد وثمرات:

روزہ: نماز، زکوٰۃ اور حج کی طرح ایک عبادت ہے اور عبادات کا مقصد اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانا، اس سے تعلق ورابطہ استوار کرنا اور اس کی رضاء حاصل کرنا ہے۔ ان عبادات سے کچھ دنیوی مفادات بھی حاصل ہوجائیں تو وہ ضمنی فوائد ہیں، اصل مقصد سے ان کا تعلق نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ عبادت کی ادائیگی ہر صورت میں ضروری ہے چاہے اس کی علت یا حکمت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اس کا کوئی دنیوی فائدہ ہمیں حاصل ہو یا نہ ہو، حتی کہ ہمیں ظاہری طور پر اس میں اپنے جان ومال کا نقصان ہی کیوں نہ محسوس ہو لیکن احکامِ الٰہی اور عبادات میں کوتاہی ہمارے لیے جائز نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جان ومال یعنی سب کچھ قربان کردینا ہی مومن کا مطلوب ومقصود ہے۔

روزہ بھی ایک ایسی عبادت ہے جس سے کچھ طبی فوائد بھی انسان کو حاصل ہوتے ہیں، جیسے حکماء کی اکثریت اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ بسیار خوری سے اجتناب صحت کے لیے مفید ہے۔ روزے میں انسان بسیار خوری سے بچ جاتا ہے (بشرطیکہ وہ عام رواج کے برعکس ثقیل اور بھاری غذاؤں سے پرہیز کرے) تاہم یہ ایک ضمنی فائدہ ہے، روزے کا اصل مقصد وہ روحانی اور قلبی فوائد ہیں جو روزوں کو ان کی شرائط اور آداب کے ساتھ رکھنے کی صورت میں روزے داروں کو حاصل ہوتے ہیں۔ چناں چہ اس کے چند روحانی فوائد وثمرات حسب ذیل ہیں:

(ا)......تقویٰ کا حصول اور تقویٰ کے ثمرات:

روزوں کا سب سے بڑا فائدہ تقویٰ کا حصول ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ [البقرۃ۲: ۱۸۳]

''تم پر روزہ رکھنا اس لیے فرض کیا گیا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

کیوں کہ روزہ بھی عبادت ہی ہے اور عبادت کا مقصد اور فائدہ بھی اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حصول ہی بتلایا ہے۔ [دیکھئے سورۃ البقرۃ ۲:۲۱]

❀...... یہ تقویٰ کیا ہے جو روزوں سے انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے؟

❀......اور وہ روزے سے پیدا کس طرح ہوتا ہے؟

❀......اور تقویٰ سے کیا فوائد وثمرات حاصل ہوتے ہیں؟

یہ تین سوال قابل غور ہیں۔

①......تقویٰ کا مطلب، دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا اس طرح راسخ ہوجانا ہے کہ انسان اس کی نافرمانی کے ارتکاب سے باز رہے، ہر قدم سوچ کر اٹھائے اور زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر معاملے میں اس کی ہدایات وتعلیمات کی پابندی کرے، اسے بعض بزرگوں نے اس مثال سے واضح کیا ہے کہ ایک شخص ایسی تنگ گزرگاہ سے گزرے جس کے دونوں طرف کانٹے ہوں، تو وہ ایسی گزرگاہ سے کپڑے سنبھال کر اور دامن سمیٹ کر چلے گا تاکہ اس کا دامن کانٹوں سے نہ الجھے۔ تقویٰ بھی اسی احتیاط اور معصیت سے دامن بچا کر زندگی گزارنے کا نام ہے۔

②...... اور یہ تقویٰ روزے سے اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ روزے کی حالت میں ایک مومن نہ کھاتا ہے نہ کچھ پیتا ہے اور نہ بیوی سے اپنی جنسی خواہش پوری کرتا ہے، حالاں کہ عام حالات میں اس کے لیے ان میں سے کوئی چیز بھی ممنوع اور حرام نہیں ہے۔ کھانا پینا بھی حلال امر ہے اور بیوی سے مباشرت بھی جائز کام ہے۔ لیکن ایک مومن روزے میں یہ حلال کام بھی نہیں کرتا، حتیٰ کہ گھر کی چاردیواری کے اندر بھی نہیں کرتا جہاں اسے کوئی دیکھنے یا روکنے والا نہیں ہوتا۔ یہ کیا ہے؟ یہ وہی تقویٰ، اللہ کا ڈر ہے جو روزے سے اس کے اندر پیدا ہوا ہے۔

جب ایک مومن اللہ تعالیٰ کے ڈر سے محض اس لیے حلال کام بھی نہیں کرتا کہ روزے میں اللہ تعالیٰ نے ان سے روک دیا ہے اور کسی کے نہ دیکھنے کے باوجود وہ باز رہتا ہے، تو گویا روزے نے اس کے اندر وہ تقویٰ پیدا کر دیا ہے جو روزے کا اصل مقصد ہے۔ اگر انسان اس ماہانہ مشق کو اپنے احساس وشعور کا حصہ بنا لے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کا یہ خوف قدم قدم پر اس کے دامن گیر رہ سکتا ہے اور اسے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز رکھ سکتا ہے۔ جب وہ اللہ کے حکم پر، اللہ تعالیٰ کے ڈر سے، جائز اور حلال کاموں سے بھی وقتی طور پر رکا رہتا ہے تو جن چیزوں اور کاموں کو اللہ نے ہمیشہ کے لیے حرام اور ناجائز قرار دیا ہے، ایک مومن اور ایک متقی ان کا ارتکاب کس طرح کر سکتا ہے؟

③...... ایک مومن کے اندر جب یہ تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا ہو جاتا ہے، تو اسے حسب ذیل ثمرات وفوائد حاصل ہوتے ہیں۔

تقویٰ کے ثمرات وفوائد:

①...... ایک مومن کی ایمانی قوت میں اضافہ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا نقش اس کے دل میں مزید گہرا ہو جاتا ہے۔ وہ اس کی اطاعت وفرماں برداری میں راحت اور اطمینان محسوس کرتا اور نافرمانی میں اس کی گرفت سے ڈرتا ہے۔

②...... اس کے عقیدۂ آخرت میں تازگی اور پختگی آجاتی ہے۔ وہ روزے میں اپنی لذتیں قربان اور اپنی خواہشیں ترک کرتا ہے تو ایسا وہ اس یقین کی بنیاد پر کرتا ہے کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں اس سے زیادہ لذتوں والی چیزیں عطا فرمائے گا۔ یہ عقیدۂ آخرت اور حسن صلہ کا یہ تصور روزے کی مشکلات اور مشقتوں ہی کو اس کے لیے آسان نہیں کرتا بلکہ دین وشریعت کے ہر معاملے میں اس کے اندر صبر وثبات کی خوبیاں پیدا کرتا ہے جو اسے دین پر قائم رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے انحراف نہیں کرنے دیتیں۔

③...... جب ایک مومن اللہ تعالیٰ کے حکم سے روزے میں ایک خاص وقت (صبح صادق کے ہو جانے) پر کھانے پینے اور دیگر خواہشات سے رک جاتا ہے اور ایک دوسرے وقت پر (سورج کے غروب ہوتے ہی) کھانا پینا شروع کر دیتا ہے اور دوسری جائز خواہشات بھی پوری کرنی چاہتا ہے تو کر لیتا ہے۔ تو شب وروز کے لمحات واوقات میں اللہ تعالیٰ کی یہ فرماں برداری اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی عبودیت وبندگی اور اس کے سامنے سرافگندگی وخودسپردگی کا جذبہ وشعور پیدا کرتی ہے کہ انسان کا اپنا کچھ نہیں ہے، سب کچھ اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے۔ ایک ایک لمحے اور ایک ایک گھڑی کو اللہ تعالیٰ ہی کی راہ میں یا اس کی مرضی ومنشا کے مطابق ہی گزارنا ہے۔ اسی کا نام کمال عبودیت اور کمال بندگی ہے جو انسان سے مطلوب ہے۔

④...... اور جب بندگی کا یہ شعور اور ہر لمحے اور ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کا یہ جذبہ عام ہو جاتا ہے تو پھر پورا معاشرہ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ جاتا اور پورا ماحول ایمان کے نور سے منور ہو جاتا ہے، پھر کفر وشرک (یعنی غیروں کا رنگ) وہاں سے مٹ جاتا اور معصیت ونافرمانی کی تاریکیاں کافور ہو جاتی ہیں۔ ہر طرف ''صبغۃ اللہ'' ہی کی جلوہ آرائی اور دین وشریعت ہی کی روشنی نظر آتی ہے۔ جیسے رمضان المبارک میں ہوتا ہے۔ رمضان میں دن کو سب مسلمان ایک ہی کیفیت میں نظر آتے ہیں۔ گھر میں ہوں تب بھی، دفتر اور کارخانے میں ہوں تب بھی، سڑکوں اور بازاروں میں ہوں تب بھی، تنہا ہوں تب بھی، اور مجلس میں ہوں تب بھی، امیر ہوں تب بھی فقیر ہوں تب بھی، راعی وحکم راں ہوں تب بھی اور رعایا ہوں تب بھی۔ سب ایک ہی جذبے سے

سرشار، سب پر ایک ہی کیفیت کا غلبہ اور سب ایک ہی آقا کے غلام اور ایک ہی حاکم کے محکوم نظر آتے ہیں۔ پورے معاشرے اور ماحول میں یہ یکسانیت کس نے پیدا کی؟ ایک ہی جذبہ واحساس کی کارفرمائی کیوں ممکن ہوئی؟ اور سب پر ایک ہی رنگ کا غلبہ کیوں اور کیسے ہوا؟

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی کامل بندگی واطاعت کے جذبے سے ہوا جو رمضان المبارک میں روزوں کی وجہ سے انسانوں کے اندر پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایک مہینے کے مسلسل روزوں کی مشق سے مسلمان معاشروں اور ملکوں میں ایسا ہی ماحول مستقل طور پر پیدا کرنا چاہتا ہے، جس میں نیکی غالب اور بدی مغلوب ہو، خیر کی کارفرمائی ہو اور شر کو رونمائی کا موقع نہ ملے، حق پر چلنے والے سرخرو ہوں اور باطل پر چلنے والے روسیاہ۔

لیکن ایسا تب ہی ہوسکتا ہے جب رمضان المبارک میں حاصل ہونے والے تقویٰ کی ہم حفاظت کریں، اس جذبے اور شعور کو زندہ رکھیں جو روزہ ہمارے اندر پیدا کرتا ہے، اس ایمانی پختگی کو قائم اور اس عقیدۂ آخرت کو دل ودماغ میں ہر وقت مستحضر رکھیں جس سے روزے کی حالت میں ہم سرشار رہتے ہیں۔

لمحۂ فکریہ اور دعوت غور وفکر:

آج ہمارے معاشرے میں صورت حال اس کے برعکس ہے، نیکی مغلوب اور بدی غالب ہے۔ شر خوب پھل پھول رہا ہے اور خیر سکڑتا اور سمٹتا جارہا ہے، حق کی قوتیں کمزور ہورہی ہیں اور باطل قوتیں دندنا رہی ہیں، حتیٰ کہ نیکی کرنے والے منہ چھپاتے پھر رہے ہیں اور برائی کرنے والے ڈنکے کی چوٹ پر خوب دھڑلے سے برائیاں کررہے ہیں، حالاں کہ ہم سالہا سال سے رمضان المبارک کے روزے رکھتے چلے آرہے ہیں، لیکن اس کے باوجود نیکی کا عمومی ماحول نہیں بن رہا ہے، ہمارے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہورہی ہے اور ہم اخلاق وکردار کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتے چلے جارہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم ایک رسم کے طور پر روزہ رکھ لیتے ہیں اور اس کی روح کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش نہیں کرتے، ایک محدود وقت کے دوران میں تو ہم کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں، لیکن محرمات ابدی سے اجتناب ضروری نہیں سمجھتے۔ گویا تقویٰ کی اصل حقیقت سے ہم محروم ہی رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ روزے سے ہماری ایمانی قوت میں کوئی اضافہ ہوتا ہے نہ عقیدۂ آخرت کا صحیح استحضار ہی حاصل ہوتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہی ہمارے دلوں میں راسخ ہوتا ہے۔

جب کہ برائیوں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایمان مستحکم، آخرت پر یقین مضبو اور اللہ تعالیٰ کا خوف عناں گیر ہو۔ جب ایسا ہوجاتا ہے تو پھر انسان نہ صرف یہ کہ خود برائی کا ارتکاب نہیں کرتا، بلکہ برائی کو ہوتا ہوا دیکھنا بھی اس کے لیے مشکل ہوجاتا ہے۔ ایمان اور تقویٰ اسی جذبہ وشعور کا نام ہے۔

آج ضرورت اسی شعوری ایمان اور حقیقی تقویٰ کی ہے جو برائی کی راہ میں سد سکندری بن جائے۔ معاشرے میں کھلم کھلا کسی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جرأت نہ ہو اور لوگ معصیت کا ارتکاب کرتے ہوئے اسی طرح شرم اور حجاب محسوس کریں جیسے رمضان المبارک میں سرعام کھانے پینے میں ایک روزہ خور بھی شرم اور حجاب محسوس کرتا ہے۔

مذکورہ فوائد کے علاوہ روزے کے چند اور فوائد بھی ہیں۔ روزے دار کو کوشش کرنی چاہیے کہ روزے کے یہ سارے فائدے وہ حاصل کرے تاکہ یہ عبادت لاحاصل نہ رہے۔ یہ مزید فوائد حسب ذیل ہیں۔

(۲) روزہ نفس کی سرکشی کا زور توڑنے میں مددگار عمل ثابت ہوتا ہے:

عام طور پر دو چیزیں گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتی ہیں۔ ایک نفس کی بڑھتی ہوئی خواہش اور اس کی سرکشی، دوسرا شیطان کا وجود اور اس کا مکروفریب۔

رمضان المبارک میں سرکش شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے جس سے یقیناً نیکی کے رجحان میں اضافہ ہوتا اور خدا خوفی کا ماحول پروان چڑھتا ہے۔ خیر کے اس اضافے اور نیکی کے ماحول سے انسان اگر پورا فائدہ اٹھائے، تو اس سے یقیناً اس کے مزاج وکردار کا وہ فساد دور ہوسکتا ہے جو رمضان المبارک کے گزرتے ہی دوبارہ لوٹ آتا ہے اور رمضان کی مشق

وتربیت کو کالعدم کر دیتا ہے۔

روزہ نفس کی بڑھتی ہوئی سرکشی کو بھی لگام دیتا اور اس کی حیوانی خواہشوں کو بھی بے قابو نہیں ہونے دیتا۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے نوجوانوں کو بطورِ خاص فرمایا تھا، کیوں کہ نوجوانی میں نفس زیادہ زور آور ہوتا ہے۔

"یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ۔" [صحيح البخاری، النكاح، باب:۲، ح:۵۰۶۵ وصحيح مسلم، النكاح، باب:۱، ح:۱۴۰۰]

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ وہ شادی کر لے، اس لیے کہ یہ (شادی) نگاہوں کو پست رکھنے اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے میں بہت زیادہ معاون ثابت ہوتی ہے اور جو اس کی طاقت نہیں رکھتا، تو وہ روزے رکھے، کیوں کہ روزہ اس کی نفسانی خواہشوں کا زور توڑے رکھے گا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ نفس کی سرکشی کا زور توڑنے کے لیے روزہ ممد و معاون ہے۔ اسی لیے ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے روزے کو ایک نفع بخش عمل قرار دیا۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

"قلت: يا رسول الله! مرني بامر ينفعني الله به، قال: عليك بالصيام فإنه لا مثل له۔" [سنن النسائی، الصيام، باب فضل الصيام، ح:۲۲۲۳]

''میں نے کہا، اللہ کے رسول! مجھے ایسا کام بتلایئے جو مجھے نفع دے۔ آپ نے فرمایا: روزے رکھا کرو، اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔''

(۳) روزے سے صبر کا وصف راسخ ہوتا ہے:

صبر بھی ایک ایسا اہم عمل ہے کہ اس کے بغیر دین پر عمل اور ایمانی تقاضوں کی تکمیل ممکن نہیں۔ صبر کا وصف ہی انسان کے اندر ایسا حوصلہ پیدا کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ساری دنیا سے لڑنے اور باطل قوتوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

صبر کے مفہوم میں حسب ذیل چیزیں شامل ہیں:

① ...... اپنے نفس پر کنٹرول کر کے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اور اس کی معصیت سے بچنا۔

② ...... اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلے میں نفس کی لذتوں اور اس کے حیوانی تقاضوں کو نظر انداز کر دینا۔

③ ...... اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرنے میں جو مشکلات پیش آئیں، انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا اور لوگوں کی لعنت ملامت کی پروا نہ کرنا۔

روزے میں انسان اپنے نفس کی لذتوں اور اس کے حیوانی تقاضوں کو نظر انداز کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتا ہے، جس سے اس کے اندر صبر کا وصف راسخ ہوتا اور مذکورہ خوبیوں کا انعکاس ہوتا ہے۔

(۴) روزے سے اخوت و ہمدردی کا احساس اجاگر ہوتا ہے:

روزے میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے، تو اسے ان لوگوں کی تکلیفوں کا احساس ہوتا ہے جن کی زندگی تنگ دستی اور فقر و فاقہ میں گزرتی ہے، اس لیے کہ مومنوں کا وصف یہ بیان کیا گیا ہے:

"مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى۔" [صحيح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنين...... الخ، ۲۵۸۶]

''آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھنے میں، ایک دوسرے کے ساتھ رحم کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و نرمی کرنے میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے۔ جب جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے سارا جسم بیزار رہتا ہے اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

ایک دوسری روایت میں فرمایا:

" اَلْمُسْلِمُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ، إِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهُ، اشْتَكٰى كُلُّهُ، وَإِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهُ، اشْتَكٰى كُلُّهُ ۔" [حواله مذكور]

''سب مسلمان شخص واحد کی طرح ہیں، اگر اس کی آنکھ میں درد ہوتا ہے تو اس کا سارا جسم درد محسوس کرتا ہے اور اس کے سر میں درد ہوتا ہے تب بھی سارا جسم درد محسوس کرتا ہے۔''

اور جب ایک مسلمان روزے کی حالت میں فقر و فاقہ کی کیفیتوں سے گزرتا ہے تو اس کے اندر ایسے لوگوں کے بارے میں ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو مستقل طور پر فقر و فاقہ سے دوچار رہتے ہیں، چناں چہ وہ اپنی طاقت کے مطابق ان سے بھائی چارگی کا اظہار کرتا اور ان کی تکلیفوں کو دور کرنے میں ان کے ساتھ تعاون کرتا ہے، جیسا کہ اسلام کا تقاضا ہے۔

(۵) روزہ اخلاق و کردار کی بلندی پیدا کرتا ہے:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّي امْرُءٌ صَائِمٌ ۔" [صحيح البخاري، الصوم، باب هل يقول: إني صائم إذا شتم، ح:١٩٠٤]

''روزہ ایک ڈھال ہے، جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو دل لگی کی باتیں کرے نہ شور و شغب۔ اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے لڑنے کی کوشش کرے تو کہہ دے، بھئی! میں تو روزے دار ہوں۔''

اس حدیث میں روزے کو ڈھال قرار دیا گیا ہے، کس چیز سے؟ گالی گلوچ سے، شور و شغب اور دل لگی کی باتوں سے، حتی کہ کوئی گالی بھی دے دے تو کہہ دیا جائے، میں تو روزے دار ہوں، میں روزے کی حالت میں اپنی زبان کو گالی سے آلودہ نہیں کروں گا، لڑائی کا جواب لڑائی سے نہیں، عفو و درگزر سے دوں گا۔ یہ اخلاق و کردار کی وہ بلندی ہے جو روزے سے پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔

روزے داروں کے لیے وعید:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظَّمَأُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ ۔" [رواه الدارمي، مشكوة، الصوم، باب تنزيه الصوم، ح:٢٠١٤، وقال الألباني إسناده جيد]

''کتنے ہی روزے دار ہیں جن کو ان کے روزے سے سوائے پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی شب بیدار ہیں، جن کو ان کی شب بیداری سے سوائے بیداری اور بے خوابی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔''

یہ کون سے بدنصیب روزے دار ہوں گے جنہوں نے روزے رکھ کر بھوک پیاس کی تکلیف تو برداشت کی ہوگی، لیکن روزے کے اجر و ثواب سے محروم رہیں گے؟ یہ وہی لوگ ہوں گے جن کے اندر روزے سے اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے، نہ اخلاق و کردار کی بلندی اور نہ دیگر فوائد و ثمرات ہی انہیں حاصل ہوتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ

روزے کی اہمیت:

روزے کی اہمیت تو اسی سے واضح ہے کہ یہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

" بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ ۔" [صحيح البخاري، الإيمان، باب:١، ح:٨، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الإسلام...... الخ، ح:١٦]

''اسلام کی بنیادیں پانچ ہیں: ① اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ② نماز قائم کرنا، ③ زکوٰۃ ادا کرنا، ④ بیت اللہ کا حج

کرنا (اگر استطاعت حاصل ہو جائے)، ⑤ اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔''

روزے کا وجوب:

رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزوں کی بابت فرمایا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ﴾ [البقرة۲: ۱۸۳]

''اے ایمان والو! تم پر (رمضان المبارک کے) روزے رکھنا فرض کیے گئے ہیں۔''

اور فرض کا انکار کفر وارتداد ہے۔ اس سے بھی روزے کی اہمیت واضح ہے۔

روزے کی تعریف:

صوم کے لغوی معنی ترک جانے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں یہ اللہ تعالیٰ کی ایک عبادت ہے جس میں ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام مفطرات سے، طلوع فجر سے غروب شمس تک رکا رہتا ہے۔ مفطرات کے معنی ہیں، روزے کو توڑ دینے والی چیزیں۔ جیسے کھانا، پینا، بیوی سے ہم بستری کرنا۔ یہ ساری چیزیں اگرچہ حلال ہیں، لیکن روزے کی حالت میں یہ چیزیں ممنوع ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم پر فجر سے لے کر سورج کے ڈوبنے تک، ان تمام چیزوں سے بچ کر رہنے کا نام روزہ ہے۔

روزے کا مقصد:

اس تعریف اور عمل سے ہی روزے کا وہ مقصد واضح ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں روزے کا حکم دیتے ہوئے ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ [البقرة۲: ۱۸۳] کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ تقویٰ کا مطلب ہے، دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر اور اس کا خوف اس طرح جاگزیں ہو جائے کہ ہر کام کرنے سے پہلے انسان یہ دیکھے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز؟ حلال ہے یا حرام؟ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا یا ناراض؟

روزے سے یہ تقویٰ کس طرح حاصل ہوتا ہے جب ایک مسلمان روزے کی حالت میں گھر کی چار دیواری کے اندر بھی، جہاں اس کو کوئی دیکھنے والا ہوتا ہے نہ اس کا کوئی مؤاخذہ کرنے والا، کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور نہ بیوی سے اپنی جنسی خواہش پوری کرتا ہے، کیوں؟ محض اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے روزے کی حالت میں ان چیزوں سے اسے روک دیا ہے۔ تو پورے ایک مہینے کی تربیت سے بشرطیکہ انسان خلوصِ دل اور کامل اذعان اور شعور سے کوشش کرے، اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف راسخ ہو جاتا ہے اور یہ بات اس کے ذہن میں نقش ہو جاتی ہے کہ جب روزے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حلال چیزوں سے بھی میں اجتناب کرتا رہا ہوں، تو جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے حرام قرار دی ہوئی ہیں، ان کا ارتکاب میرے لیے کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ یا اگر مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے کام کیوں کروں؟



افادات الامام عبدالرحمن بن شہاب الدین ابن احمد بن رجب الحنبلی رحمہ اللہ

اِحسان واخلاص ③

اردو ترجمہ: عمر فاروق السعیدی

عارفین کے کچھ اقوال:

بعض عارفین کا قول ہے: اس بات سے ڈرو کہ کہیں اللہ تمہیں حقارت سے نہ دیکھتا ہو۔

بعض نے کہا: اللہ سے ڈرو اور خیال کرو کہ وہ تم پر کس قدر عظیم قدرت رکھتا ہے۔

بعض نے کہا: عارف تو وہ ہے جو اللہ کے لیے عمل کرے اور اس تصور سے کرے گویا وہ اسے دیکھتا ہے اور جو اس کیفیت سے عبادت کرے کہ "اللہ اسے دیکھ رہا ہے" تو وہ "مخلص" ہوتا ہے۔

اور اس قول میں مذکورہ بالا دونوں مراتب ومقامات کا اشارہ ہے۔ یہ دوسرا مرتبہ، مقامِ اخلاص ہے اور اس کا لازمی تقاضا ہے کہ بندہ دوران عبادت میں ادھر ادھر نہ جھانکے، صرف اس کی رضا کو پیش نظر رکھے۔ اور پہلا مقام، مقامِ مشاہدہ ہے۔ یعنی بندہ اپنے دل میں یہ تصور جمائے اور اس طرح کے حضورِ قلب سے عبادت کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مشاہدہ میں ہے۔ اس طرح اس کا دل ایمان سے منور اور اس کی بصیرت مقام عرفان تک پہنچ جائے گی۔ حتی کہ غیب عیاں بن جائے گا۔ اور یہی وہ مقام احسان ہے جس کا حدیث جبریل میں بیان ہوا ہے۔ اور ان مقامات کے اصحاب اپنے اپنے درجاتِ بصیرت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔

اس طرح سورۃ النور میں آیت نمبر (۳۵)

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ ...... ﴾

کی تفسیر میں یہی بیان کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال جو مومن کے دل میں ہوتا ہے۔ مثل ایک طاق کے ہے، جس میں چراغ ہو، اور چراغ شیشے کی قندیل میں ہو، اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو......الخ۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سلف امت سے اس کی یہی تفسیر وارد ہے۔

اور احادیث میں ایک حدیث یہ بھی ہے کہ

" افضل الایمان أن تعلم أن اللّٰہ معك حيث كنت۔"

"سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تمہیں علم ویقین ہو کہ تم جہاں کہیں بھی ہوئے اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

طبرانی میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت آتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلاثة فی ظلّ اللّٰہ یوم القیامة یوم لا ظلّ الاّ ظلّهٗ رجل حیث توجه علم أن اللّٰه معهٗ ۔ الحدیث

"تین قسم کے آدمی قیامت کے دن اللہ کے سائے میں ہوں گے جس دن اللہ کے سائے کے علاوہ کہیں کسی کا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں ایک وہ ہوگا جو جہاں کہیں بھی جائے اسے یقین ہو کہ اللہ اس کے ساتھ ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی معیت کا بیان:

قرآنِ مجید میں اس کا متعدد مقامات میں ذکر ہے۔ فرمایا:

﴿ وهو معكم أينما كنتم ﴾

"وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے، تم جہاں کہیں بھی ہو۔)"

﴿ وإذا سألك عبادي عني فإني قريب ...... ﴾

''جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں پوچھیں تو انہیں بتائیں کہ میں قریب ہوں۔''

اورفرمایا:

﴿ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَ لَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ لَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ...... ﴾ [المجادله ٥٨:٧]

''تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے، اور نہ پانچ کی مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کی اور نہ زیادہ کی مگر وہ ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں۔''

اورفرمایا:

﴿ وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ﴾ [یونس ١٠:٦١]

''اور آپ کسی حال میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور جو کام بھی کرتے ہوں، ہم کو سب کی خبر رہتی، ہے جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔''

اورفرمایا:

﴿ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ [ق ٥٠:١٦]

''اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔''

اورفرمایا:

﴿ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ ...... ﴾ [النساء ٤:١٠٨]

''یہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں (لیکن) اللہ سے نہیں چھپ سکتے اور وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔''

احادیث طیبہ جن میں اللہ تعالیٰ کی معیت کا ذکر ہے:

اور احادیث طیبہ صحیحہ میں بھی اس بات کا ذکر موجود ہے کہ بندے کو چاہیے کہ عبادات میں بالخصوص اللہ تعالیٰ کے اس قرب کو اپنے دل ودماغ میں حاضر رکھے، مثلاً:

إن أحدكم اذا قام يصلّي فإنما يناجي ربّه ۔

''تم میں سے جب کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے ربّ سے مناجات کررہا ہوتا ہے۔''

یا اس طرح بھی آتا ہے:

ربّه بينه وبين القبلة ۔

''نماز کے وقت اس کا ربّ اس کے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے۔''

یا یہ الفاظ آئے ہیں:

إن الله قبل وجهه إذا صلّى ۔

''جب بندہ نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کے سامنے ہوتا ہے۔''

ایک روایت کے لفظ اس طرح ہیں:

إنّ اللّٰه ينصب وجهه لوجه عبده في صلاته ما لم يلتفت ۔

''اللہ تعالیٰ نماز کے دوران میں اپنا چہرہ بندے کے چہرے کی طرف کرلیتا ہے۔ جب تک کہ وہ التفات نہ کرے۔'' (١)

ایک بار صحابہ کرام سے تکبیر پکارنے میں آوازیں کچھ بلند ہوگئیں، تو آپ علیہ السلام نے انہیں تفہیم فرمائی کہ

إنكم لا تدعون أصمّ ولا غائبا إنكم تدعون سميعاً قريباً ۔

''تم لوگ کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو بلکہ اس ذات کو پکارتے ہو جو خوب سننے والا قریب ہے۔''

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ

وهو أقرب إلى أحدكم من عنق راحلته ۔

''وہ تو تم سے تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ

(١) اور التفات یعنی نظروں سے ادھر ادھر جھانکنا۔ اور یہ کام دل بھی کرتا ہے کہ ادھر ادھر بھٹکتا رہتا ہے۔ اور یہ نظروں سے زیادہ سخت اور پریشان کن ہوتا ہے۔ (سعیدی)

قریب ہے۔''

اور ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

هو أقرب إلى أحدكم من حبل الوريد ۔

''وہ تو تم سے تمہاری رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔''

اسی طرح ایک حدیث قدسی میں ہے:

أنا مع عبدي اذا ذكرني وتحركت بي شفتاه ۔

''میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا اور میرے (ذکر کے) ساتھ اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں۔''

اور فرمایا:

أنا مع ظن عبدي بي وأنا معه حيث يذكرني فإن ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي، وإن ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ خير منه، وإن تقرب مني شبرا تقربت منه ذراعاً وإن تقرب مني ذراعاً تقربت منه باعا وإن أتاني يمشي أتيته هرولةً ۔

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے میرے متعلق گمان کے مطابق ہوتا ہے، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جہاں بھی وہ مجھے یاد کرے، اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرے تو میں اسے اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت قریب ہوتو میں ایک ہاتھ برابر اس کی طرف قریب ہوجاتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتو میں ایک باع برابر اس سے قریب ہوجاتا ہوں (دونوں بازوں کے پھیلاؤ کو باع کہتے ہیں۔) اگر وہ میری طرف چل کے آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کے آتا ہوں۔''

تو اگر کوئی ان نصوص سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں حلول یا اتحاد وغیرہ کے مفہوم سمجھتا اور کشید کرتا ہے تو یہ اس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے متعلق سوء فہم اور جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان معانی ومفاہیم سے بری ہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس کی مثل کوئی نہیں اور وہ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے۔

بعض عارفین کے اقوال:

جناب ابوبکر مزنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اے ابن آدم! تیرے جیسا کون ہے؟ تیرے، تیرے محراب اور بحر (انس ومعرفت) میں کوئی رکاوٹ نہیں، تم جب چاہو اپنے اللہ کے حضور حاضر ہوسکتے ہو اور تمہارے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان بھی نہیں ہوتا۔''

اور جب کوئی ذکر وعبادت میں حضور واستحضار کا یہ مقام حاصل کرلیتا ہے تو وہ اللہ کا انیس بن جاتا ہے اور پھر لازمی طور پر دیگر مخلوقات سے اسے وحشت سی ہونے لگتی ہے۔

ثور بن یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے جماعت حواریین! اللہ کے ساتھ بہت زیادہ اور لوگوں کے ساتھ بہت کم باتیں کیا کرو۔ انہوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت زیادہ کلام کیسے کریں؟ فرمایا: اس کے ساتھ مناجات کے لیے خلوت اختیار کرو، اور خلوت میں اس سے دعائیں کیا کرو۔

[بحوالہ ابونعیم وغیرہ]

اسی طرح جناب رباح رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی ہر دن رات میں ہزار رکعتیں پڑھتا تھا [1] حتیٰ کہ وہ کھڑا ہونے سے معذور

---

(۱) اس طرح کے جملے بہت سے صوفیاء وزاہدین کے متعلق تواتر کے ساتھ لکھنے پڑھنے میں آتے ہیں۔ اس ہزار رکعت کی ادائیگی مسنون انداز میں بہت ہی بعید معلوم ہوتی ہے کہ چوبیس گھنٹوں کے منٹ ہی بنائے جائیں تو ایک ہزار چار سو چالیس (۱۴۴۰) بنتے ہیں۔ پھر عبادت کے لیے مکروہ وممنوع اوقات نکال لیے جائیں تو ایک منٹ میں ایک رکعت بڑے تعجب کی بات ہے۔ الا یہ کہ یہ تاویل کرلی جائے کہ ان جملوں میں تعداد مراد ہی نہیں ہوتی محض کثرت کے معنی میں یہ عدد بول دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب...... اور حق اور حقیقت یہ ہے کہ جو للّٰہیت، خشوع وخضوع اور راحت وسکون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ میں ہے، اور کہیں نہیں ہوسکتا۔ وللہ الحمد علی ذلک...... (سعیدی)

ہوگیا۔تو بیٹھ کر پڑھا کرتا تھا۔ وہ جب عصر کی نماز پڑھ لیتا تھا تو اپنے گھٹنوں کو اپنے بازوؤں میں لے کر احتباء کی صورت میں بیٹھ جاتا اور قبلہ کی طرف منہ کرلیتا اور کہتا تھا:

مجھے اس مخلوق پر تعجب ہے وہ کس طرح اور کیوں کر تیرے علاوہ کسی اور سے دل لگائے ہوئے ہیں۔ مجھے اس مخلوق پر تعجب ہے کہ ان کے دل کیوں کر تیرے علاوہ کسی دوسرے کے ذکر کے ساتھ مانوس ہیں؟

ابواسامہ کہتے ہیں کہ میں جناب محمد بن نضر حارثی رحمہ اللہ کے ہاں گیا،تو میں نے انھیں محسوس کیا کہ وہ کچھ منقبض سے اور ان کی طبیعت میں گھٹن سی ہے۔ میں نے کہا: شاید آپ کو ناگوار لگتا ہے کہ آپ کے پاس آیا جائے۔انہوں نے کہا ہاں۔[1]

میں نے کہا: تو کیا آپ کو اس طرح اکیلے بیٹھے رہنے سے وحشت اور گھبراہٹ نہیں ہوتی؟ انہوں نے کہا: مجھے گھبراہٹ کیوں ہونے لگی؟ جب کہ وہ (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے: میں ہم مجلس ہوتا ہوں اس کا جو مجھے یاد کرے!

جناب مالک بن مغفل رحمہ اللہ اپنے گھر میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے تو ان سے کہا گیا کیا آپ کو (اپنے اکیلے بیٹھے رہنے سے) گھبراہٹ نہیں ہوتی؟ تو انہوں نے کہا: کیا بھلا کوئی اللہ کی معیت میں بھی گھبرا سکتا ہے؟

جناب حبیب ابومحمد رحمہ اللہ اپنے گھر میں اکیلے ہی بیٹھے ہوتے تھے اور کہا کرتے تھے: (اے اللہ!) جس کی آنکھ تیری معیت میں ٹھنڈی نہیں ہوتی، اس کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں! جسے تجھ سے انس نہیں ملتا اسے کہیں کوئی انس نہ ملے!

جناب غزوان رحمہ اللہ تعالیٰ کہا کرتے تھے: میں اپنے دل کی راحت اُس کی مجالست اور صحبت میں پاتا ہوں جس کے ہاں میری حاجات ہیں!

مسلم بن یسار رحمہ اللہ کا قول ہے: لذت کے متوالوں کو اللہ تعالیٰ سے مناجات کے لیے خلوت سے بڑھ کر اور کہیں کوئی لذت نہیں۔

مسلم بن عابد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر جماعت (کے اہتمام کی پابندی) نہ ہوتی تو میں اپنے دروازے سے کبھی باہر نہ نکلتا حتی کہ مجھے موت آجاتی۔

اور یوں بھی کہا: اللہ کے مطیع بندوں کے لیے اس دنیا میں اپنے آقا کے ساتھ مناجات کے لیے خلوت سے بڑھ کر اور کوئی چیز لذیذ وشیریں نہیں ہوتی۔اور میں نہیں سمجھتا کہ ان کے سینوں میں آخرت کے ثواب اور اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہوگی!...... پھر ان پر غشی طاری ہوگئی۔

جناب ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ

أعلى الدرجات أن تنقطع إلٰى ربّك وتستأنس إليه بقلبك وعقلك وجميع جوارحك حتى لا ترجو الاّ ربّك ولا تخاف الاّ ذنبك وترسخ محبته فى قلبك حتى لا تؤثر عليها شيئا، فإذا كنت كذلك لم تنل فى برّ كنت او بحر أو فى سهل أو فى جبل وكان شوقك إلٰى لقاء الحبيب شوق الظمآن إلى الماء البارد وشوق الجائع الى الطعام الطيب، ويكون ذكر اللّٰه عندك احلٰى من العسل واحلٰى من الماء العذب الصافى عند العطشان فى اليوم الصائف ۔

''سب سے عظیم درجہ اور مقام تو یہ ہے کہ تم (مخلوقات سے) کٹ کر اللہ کے ہو رہو۔ اور اپنے عقل وشعور اور تمام اعضاء وجوارح کے ساتھ اللہ کے انیس بنو حتی کہ تمہاری ساری کی ساری امیدیں اللہ ہی سے وابستہ ہوجائیں۔ اور اپنے قصوروں اور گناہوں سے ڈرتے رہو۔ اللہ کی محبت کو اپنے دل میں اس طرح سے جماؤ حتی کہ کسی اور شے کو اس پر ترجیح حاصل

(۱) بعض لوگ علماء وصالحین کے پاس محض تبرک کے طور پر جا بیٹھتے اور ان کے علمی وعملی مشاغل میں حارج بنتے ہیں۔اور پھر وہ بے مقصد طور پر مجلس کو طول بھی دیتے ہیں۔شاید اسی قسم کے لوگوں سے انقباض کا ذکر ہوا ہے۔ واللہ اعلم (سعیدی)

نہ رہے۔اگر تم اس طرح کے ہوگئے تو پھر خواہ جنگل میں ہوئے یا سمندر میں کسی میدان میں ہوئے یا پہاڑ پر تو پھر تمہارا شوق اپنے حبیب حقیقی (جل جلالہ) کی ملاقات کے لیے ایسے ہوگا، جیسے کسی پیاسے کو ٹھنڈے میٹھے پانی کی طلب ہوتی ہے، کسی بھوکے کو بہترین لذیذ کھانے کی خواہش ہوتی ہے۔اللہ کا ذکر تمہارے لیے شہد سے بڑھ کر شیریں اور ٹھنڈے میٹھے صاف پانی کی خواہش سے بڑھ کر ہوجائے گا جو کسی تپتے دن میں ہوسکتی ہے۔'' (۱)

جناب فضیل کا قول ہے:

''مبارک ہے وہ شخص جو لوگوں کے جمگھٹوں سے گھبرا کر اللہ کا جلیس (وانیس) بن گیا۔''

ابوسلیمان رحمہ اللہ کہتے ہیں:''میں کبھی بھی اللہ تعالیٰ کو بھول نہیں سکتا ہوں۔''

جناب معروف کرخی ؒ نے ایک آدمی سے کہا:''اللہ تعالیٰ پر تمہارا توکل اور اعتماد ایسا اور اس قدر ہو کہ وہ تمہارا جلیس وانیس بن جائے،اور پھر تم اپنی جمیع حاجات اس کو سنوا سکو۔''

ذوالنون مصری ؒ سے منقول ہے کہ اہل محبت کی علامت یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کہیں اور سے اُنس نہیں ملتا۔اور اس کی معیت سے انہیں کوئی گھبراہٹ نہیں ہوتی (یعنی لوگوں کے نہ ملنے سے انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔)

اور فرمایا: جب اللہ کی محبت دل میں جاگزیں ہوجاتی ہے تو اس بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس ہوجاتا پایا۔ پھر اللہ کی ذات اہل معرفت کے سینوں میں سب سے عظیم ہوجاتی ہے۔اور یہ بھی سب سے کٹ کر اسی سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

الغرض علماء وزہاد کے اس طرح کے اقوال بے شمار ہیں، جن کا احاطہ تطویل کا باعث ہوگا۔ جو ذکر ہوا اس میں بڑی کفایت ہے ان بیانات کی روشنی میں اس حدیث (حدیث جبریل) کی عظمت شان کا پتا چلتا ہے، کہ یہ حدیث تمام علوم ومعارف کی جامع ہے اور ہر طرح کے علوم وحکم اسی کی طرف راجع ہیں اور امت کے عظیم علماء وبزرگان کے علمی جواہرات جو وہ پیش کرتے ہیں اس حدیث سے باہر نہیں ہوتے۔ جب کہ فقہاء کرام کا موضوع بحث عبادات کا ظاہر ہوتا ہے جو یقیناً اسلام کے بنیادی خصائل میں سے ہے، اس کے بعد وہ احوال اور عصمتوں اور خونوں کے حقوق کی بحث کرتے ہیں جو سبھی بلاشبہ علوم اسلامیہ کا عظیم حصہ ہیں۔مگر ان حضرات سے اسلام کی معنویات یعنی آداب واخلاق کا ایک بڑا حصہ رہ بھی جاتا ہے، جس کے متعلق یہ حضرات بہت کم بحث کرتے ہیں۔حتی کہ یہ شہادت توحید ورسالت کے معانی کی گہرائی میں بھی نہیں جاتے حالاں کہ یہی بات اسلام کا اصل اصلی ہے۔

اور دیگر حضرات جو ادیان کے اصول ومبادی پر بحث کرتے ہیں وہ شہادت توحید ورسالت، اللہ تعالیٰ (کی ذات وصفات اور اسماء حسنیٰ) کتب منزلہ، یوم آخرت اور تقدیر (اور ان کے حقائق پر) تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔ان ہی کے متعلق علوم ومعارف بیان کرتے ہیں مقام احسان اور قلبی احساسات (امور باطنیہ) کی تفصیلات واضح کرتے ہیں جو یقیناً ایمان کا موضوع ہے جیسے کہ خشیت الٰہی، محبت الٰہی، توکل علی اللہ، اللہ کے فیصلوں یعنی تقدیر پر رضا اور صبر وغیرہ کے موضوعات ہیں۔ (۲)

الغرض یہ حدیث جبریل ان تمام اسلامی وشرعی علوم ومعارف کی جامع ہے جن پر کہ مختلف طبقات کے علماء (اپنے اپنے انداز میں) گفتگو کرتے ہیں، ان سب کا مرجع ومحور یہی حدیث مبارک ہے۔

اللھم انفعنا بما علّمتنا وعلّمنا ما ینفعنا وزدنا علماً ووفقنا لما تحب وترضٰی ۔



(۱) اللہ تعالیٰ کے ذکر کا یہ مفہوم نہیں سمجھنا چاہیے کہ آدمی بس کسی زاویہ میں معتکف ہوکر بیٹھ رہے اور معاشرتی حقوق وفرائض (شرعی) سے غافل ہو رہے۔ بلکہ علماء ربانی نے اس کی یہ وضاحت فرمائی ہے کہ گھر بار کے جمیع حقوق وفرائض اور کسب رزق وغیرہ کی تمام تر تگ ودو جو شرعی تقاضوں اور دینی آداب کے ساتھ ہو''اللہ کے ذکر''میں شمار ہوتی ہے۔اور مخلوقات سے کٹنے کا مفہوم بھی یہی ہے لوگوں کے ساتھ روابط اور مجلس آرائی کسی عظیم تر پاکیزہ اور مفید مقاصد ومطالب کے تحت ہی ہو۔(سعیدی)

(۲) اور بعض لوگ اس موضوع کو غلط طور پر''صوفیت'' سے مطعون کرنے لگتے ہیں۔کہاں بدعی صوفیت اور کہاں شرعاً مطلوب''احسان''! (سعیدی)

تحقیق وتنقید

حالت نماز میں قرآنِ مجید پکڑ کر قراءت کرنا

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

جب آدمی حافظ قرآن نہ ہو تو بوقت ضرورت قرآنِ کریم ہاتھ میں پکڑ کر قراءت کرسکتا ہے۔ محدثین کرام رحمہم اللہ اس کو جائز سمجھتے تھے۔ اسی طرح اگر سامع حافظ نہ ہو تو وہ بھی ایسا کرسکتا ہے۔

① ...... جیسا کہ روایت ہے:

كانت عائشة يؤمها عندها ذكوان من المصحف

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام ذکوان رحمہ اللہ ان کو امامت کرواتا تھا، قرآنِ مجید سے قراءت کرتا تھا۔'' [صحيح بخاری: ۹۶/۱ تعليقا، مصنف ابن ابی شيبه: ۳۳۷/۲، كتاب المصاحف لابن ابی داؤد: ۷۹۷، السنن الكبرىٰ للبيهقی: ۲۵۳/۲، وسنده صحيح]

حافظ نووی رحمہ اللہ [خلاصة الاحكام: ۵۰۰/۱] نے اس کی سند کو ''صحیح'' اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ [تغليق التعليق: ۲۹۱/۲] نے ''صحیح'' کہا ہے۔

② ...... امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

كان محمد لا يرى بأسا أن يؤم الرجل القوم يقرأ في المصحف۔ [مصنف ابن ابی شيبه: ۳۳۷/۲ وسنده صحيح]

''امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ اس میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے کہ آدمی قوم کو امامت کرائے اور قراءت قرآنِ مجید سے کرے۔''

③ ...... امام شعبہ رحمہ اللہ امام حکم بن عتیبہ تابعی سے اس امام کے بارے میں روایت کرتے ہیں جو رمضان المبارک میں قرآنِ مجید ہاتھ میں پکڑ کر قراءت کرتا ہے۔ تو آپ رحمہ اللہ نے اس میں رخصت دی۔

[مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۷/۲ وسندہ صحیح]

④ ...... امام حسن بصری تابعی اور امام محمد بن سیرین تابعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں نماز میں قرآنِ مجید پکڑ کر قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۷/۲ وسندہ صحیح]

⑤ ...... امام عطاء بن ابی رباح تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حالت نماز میں قرآنِ مجید سے دیکھ کر قراءت میں کوئی حرج نہیں۔

[مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۷/۲ وسندہ صحیح]

⑥ ...... امام یحییٰ بن سعید انصاری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لا أرى بالقرأة من المصحف في رمضان بأسا۔

''میں رمضان المبارک میں قرآنِ مجید سے قراءت میں کوئی حرج خیال نہیں کرتا۔'' [کتاب المصاحف: ۸۰۵ وسندہ حسن]

⑦ ...... محمد بن عبداللہ بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام زہری رحمہ اللہ سے قرآنِ مجید سے قراءت کرکے امامت کرانے کے بارے میں پوچھا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

لم يزل الناس منذ كان الإسلام يفعلون ذلك۔

''ہمیشہ سے (مسلمان) لوگ ایسا کرتے آرہے ہیں۔''

[کتاب المصاحف: ۸۰۶ وسندہ حسن]

⑧ ...... امام مالک رحمہ اللہ سے ایسے انسان کے بارے میں سوال ہوا کہ جو رمضان میں قرآنِ مجید ہاتھ میں پکڑ کر امامت کراتا ہے؟ تو فرمایا:

لا بأس بذلك واذا اضطروا إلى ذلك۔

''مجبوری ہو، تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''

[کتاب المصاحف: ۸۰۸]

⑨......امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

كان ابن سيرين يصلي والمصحف إلى جنبه، فإذا تردد نظر فيه ۔ [مصنف عبدالرزاق: ۲/ ۴۲۰ ح: ۳۹۳۱ وسنده صحيح]

''امام محمد بن سیرین نماز پڑھتے تھے، قرآنِ مجید ان کے پہلو میں پڑا ہوتا تھا، جب بھولتے تو اس میں دیکھ لیتے۔''

⑩......امام ثابت بنانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

كان انس يصلي وغلامه يمسك المصحف خلفه فإذا تعايا في آية فتح عليه ۔ [مصنف ابن ابي شيبه: ۲/ ۳۳۷، السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۳/ ۲۱۲ وسنده صحيح]

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تھے، ان کا غلام ان کے پیچھے قرآن پکڑ کر کھڑا ہوجاتا تھا، جب آپ رضی اللہ عنہ کسی آیت پر رک جاتے تو وہ لقمہ دیتا تھا۔''

تلك عشرة كاملة ۔''یہ پوری دس صحیح دلیلیں ہیں۔''

ثابت ہوا کہ قرآنِ کریم ہاتھ میں پکڑ کر قراءت کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اس کے خلاف کچھ ثابت نہیں۔ فاسد کہنے والوں کا قول فاسد اور کاسد ہے۔

سعودی عرب کے مفتی اعظم فقیہ العصر عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے بھی [فتح الباري: ۲/ ۱۸۵] کی تحقیق میں اس کو بوقت حاجت جائز قرار دیا ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہاتھ میں قرآن پکڑ کر نماز میں قراءت کرے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے، وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں:

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں قرآنِ مجید ہاتھ میں پکڑ کر امامت کروانے سے منع فرمایا۔''

[کتاب المصاحف لابن ابی داؤد: ۲۷۷]

تبصرہ: یہ روایت سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔

①...... اس کی سند میں نہشل بن سعید راوی ''متروک'' اور ''کذاب'' ہے۔ [تقریب التہذیب: ۷۱۹۷، میزان الاعتدال: ۴/ ۲۷۵]

②......اس کے راوی ضحاک بن مزاحم کا ابن عباس سے سماع نہیں ہے۔ [تفسیر ابن کثیر: ۵/ ۲۳۶، التلخیص الحبیر: ۱/ ۲۱، العجاب فی بیان الاسباب لابن حجر، ص: ۲۴]

اگر اس قول کا یہ مطلب لیا جائے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بلا ضرورت قرآن ہاتھ میں پکڑ کر قراءت سے منع فرمایا تھا تو یہ زیادہ مناسب ہوگا۔

حنفی اور دیوبندی مذہب کی معتبر ترین کتابوں میں لکھا ہے:

ولذلك قال مشائخنا فيمن صلى وفي كمه جر وكلب أنه تجوز صلاته وقيد الفقيه ابو جعفر الهندواني الجواز بكونه مسدود الفم ۔ [بدائع الصنائع: ۱/ ۷۴، الدر المختار مع كشف الاستار: ۱/ ۳۸، ردّ المختار: ۱/۱۵۳، حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/ ۱۱۴، ۱۱۵، البحر الرائق لابن نجيم: ۱/ ۱۰۱، ۱۰۲، فيض الباري از انور شاه كشميري: ۱/ ۲۷۴، مجموعه رسائل از مهدي حسن شاهجهانپوري ديوبندي: ۲۴۰]

''اسی واسطے ہمارے مشائخ نے اس نمازی کے بارے میں کہا، جس کی حالت یہ ہے کہ اس کی آستین میں پلا (کتیا کا بچہ) ہو اس کی نماز جائز ہے، فقیہ ابوجعفر الہندوانی نے اس جواز کو کتے کی اس حالت کے ساتھ مقید کیا ہے کہ اس کا منہ (کپڑا لپیٹ کر) بند کر دیا جائے۔''

اہل تقلید کتا اٹھا کر نماز پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں۔ لیکن

قرآنِ مجید اٹھا کر نماز پڑھی جائے تو اس کو فاسد قرار دیتے ہیں، یہ قبیح بدعت ہے۔ امت میں کوئی مسلمان کتا اٹھا کر نماز پڑھنے کا قائل نہیں۔ مقلدین نے یہ بدعت ایجاد کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس فيه فهو ردّ ۔

''جو شخص ہمارے اس دین میں ایسی چیز نکالے، جس کا وجود اس میں نہ ہو، وہ باطل ہے۔'' [صحیح بخاری:۱/۳۷۱، ح:۲۶۹۷، صحیح مسلم:۲/۷۷، ح:۱۷۱۸]

مشتاق علی شاہ دیوبندی نے ایک کتاب شائع کی ہے ''فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات'' مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجراں والا پاکستان، اس کتاب کے صفحہ نمبر ۳۰۸ پر اس نے فقہ حنفی پر ایک غیر حنفی کا اعتراض نقل کیا کہ حنفیوں کے نزدیک ''اگر بڑے کتے کو بھی بغل میں دباتے ہوئے نماز پڑھے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔''

مشتاق علی شاہ دیوبندی کے ممدوح محمد شریف کوٹلوی بریلوی نے اس کے تین جوابات دیئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ

''رسولِ کریم ﷺ اپنی نواسی امامہ بنت زینب کو اٹھا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔'' [فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات، ص:۳۰۹]

سوال کتے کے بارے میں تھا اور جواب میں اس گستاخ نے پیارے نبی کریم ﷺ کی پاک نواسی کا ذکر کر دیا ہے۔

حنفی مذہب کی معتبر ترین کتابوں میں لکھا ہے:

إذا قرأ المصلى من المصحف فسدت صلاته فی قول أبی حنيفة لو نظر إلى فرج المطلقة عن شهوة يصير مراجعا، ولا تفسد صلاته، لو نظر المصلى إلى فرج امرأة بشهوة حرمت عليه أمها وإبنتها ولا تفسد صلاته ۔ [فتاویٰ قاضی خان: ۱/۶۵، فتاویٰ عالمگیری: ۱/ ۱۰۱، الفتاویٰ التارتاخانیه: ۱/۵۹٤، الاشباه والنتظائر از ابن نجیم: ۲/ ۳۰۷]

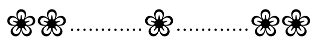
''جب نمازی قرآنِ مجید پکڑ کر قراءت کرتے تو امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اگر طلاق شدہ عورت کی شرمگاہ کو شہوت کی نظر سے دیکھتا ہے تو رجوع ہو جائے گا، نماز بھی فاسد نہ ہوگی، اگر نمازی کسی عورت کی شرمگاہ کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس عورت کی ماں اور بیٹی اس پر حرام ہو جائے گی، نماز فاسد نہیں ہوگی۔''

امام بریلویت احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:

''اگر عورت کو طلاق رجعی دی تھی، ہنوز عدت نہ گزری تھی، یہ نماز میں تھا، کہ عورت کی فرج داخل (شرمگاہ کے اندرونی حصے) پر نظر پڑ گئی اور شہوت پیدا ہوئی، رجعت ہوگئی اور نماز میں فساد نہ آیا۔'' [فتاویٰ رضویہ:۱/۷۴۷]

قارئین کرام! یہ حنفی مذہب کی معتبر کتابیں ہیں، اور یہ حنفی فقہاء ہیں، اور یہ ان کی فقہ ''شریف'' ہے۔

الحاصل! بوقت ضرورت قرآنِ مجید ہاتھ میں پکڑ کر قراءت کی جا سکتی ہے۔ فاسد کہنے والوں کا قول فاسد ہے۔



تعلیم وتعلّم

اسلامی مدارس تعلیم وتربیت کی خشت اوّل کو درست کریں

محمد بشیر (پرنسپل: معہد اللغۃ العربیۃ، اسلام آباد)

عربی زبان دین اسلام کی پہچان اور شعار ہے۔ کیوں کہ اس میں ہماری آخری اور ابدی کتاب ...... قرآنِ کریم ...... نازل ہوئی، اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی زبان یہی تھی۔ آپ اور ان کے صحابہ عرب تھے۔ قرآنِ کریم کی طرح ان کی تمام احادیث کا ذخیرہ اور آپ کی سیرت مبارکہ اسی زبان میں ہے۔ یوں ہمارے دین اسلام کی تمام تعلیمات اس میں ہیں اور ہماری عبادات کے تمام اذکار، دعائیں اور آداب بھی اسی عربی زبان میں ہیں۔

ہر مسلمان عربی سیکھتا ہے:

عربی زبان کی اس دینی اور شرعی اہمیت کی وجہ سے ہر باشعور مسلمان اسے سیکھتا ہے، اور کسی نہ کسی شکل میں اسے بولتا بھی ہے۔ ہمارے اس خطے کے مسلمان خاندانوں میں ایک اچھی روایت نسلوں سے چلی آرہی ہے کہ وہ اپنے ننھے بچوں کو شعوری عمر کو پہنچتے ہی ان کی خواندگی کا آغاز قرآنِ کریم کی تعلیم دینے سے کرتے ہیں، جس کی ابتداء تعلیم قرآن کے ابتدائی اور تمہیدی قاعدے ...... بغدادی قاعدے یا قاعدہ یسرنا القرآن یا نورانی قاعدے کی تدریس سے ہوتی ہے۔

بچہ اس تمہیدی قاعدے کو دو یا تین سال مسلسل محنت سے پڑھتا رہتا ہے اور عربی حرفوں کی مفرد اور مرکب شکلوں نیز ان کی حرکات کی متنوع صورتوں اور استعمالات کی مشق کرتے ہوئے قرآنِ کریم کے الفاظ، مرکبات، جملوں اور آیات کی قرأت سیکھتا ہے اور وقف اور وصل کے اصولوں سے آگاہ ہوتا ہے۔ یوں ہمارے بچے تین یا چار سال کی عمر کو پہنچتے ہی قرآنِ کریم کی عربی زبان سیکھنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ اسے صحیح پڑھنے اور بولنے کی صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں۔

اس تمہیدی قاعدے کو پڑھنے کے بعد یہ خوش نصیب بچے قرأت کے انہی اصولوں کے مطابق قرآنِ کریم کو شروع سے لے کر آخر تک پڑھنے کی مشق اور تربیت لیتے ہیں جسے ناظرہ قرآنِ کریم کی خواندگی کہا جاتا ہے۔ اس میں وہ ایک یا دو سال مسلسل محنت کرتے ہیں۔

اس ناظرہ قرآنِ کریم کورس کے دوران وہ کئی منتخب سورتوں کو زبانی بھی یاد کرتے ہیں، نیز وہ مکمل نماز کے اذکار، اذان اور دیگر مواقع پر پڑھے جانے والے اذکار اور دعاؤں کو بھی ازبر کر لیتے ہیں۔ اس مدت میں بچے قرآنِ کریم کی آسان اور سلیس عربی زبان میں جب اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور آیات کو بار بار اور تکرار سے پڑھتے اور دہراتے رہتے ہیں، تو ان کے دلوں اور ذہنوں میں قرآنی الفاظ، مرکبات، محاورے اور جملے بلکہ پوری پوری آیات پختہ اور محفوظ ہو جاتی ہیں۔ وہ رفتہ رفتہ تیس پاروں پر مشتمل قرآنِ کریم کی لغت عربی کے عظیم اور وسیع ذخیرے سے اچھی طرح مانوس اور واقف ہو چکے ہوتے ہیں۔

اسلامی تعلیم وتربیت کا اچھا آغاز:

مسلمان بچوں کی اسلامی تعلیم وتربیت کا یہ پہلا کورس جو بغدادی قاعدے اور ناظرہ قرآنِ کریم پر مشتمل ہے ایک جامع اور مفید کورس ہے۔ کیوں کہ اس میں ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت کا ایسا عمدہ اور جامع پروگرام دیا گیا ہے جو درج ذیل بنیادی اور ضروری نقاط کو شامل ہوتا ہے:

① ...... کتاب اللہ کی قرأت کے ضروری قاعدوں کی تعلیم اور مشق

② ...... کتاب اللہ کی صحیح اور پختہ تلاوت کی نظری اور عملی تربیت

③ ...... اسلام کے پہلے دو بنیادی ارکان شہادتین اور نماز کی تعلیم اور عملی تربیت

④ ...... بنیادی اسلامی آداب کی تعلیم وتربیت

⑤ ...... عربی زبان کے بنیادی الفاظ، ترکیبوں، محاوروں اور

جملوں کو پڑھنے اور بولنے کی پختہ تربیت

اور پھر بچے اسے جس یکسوئی، شوق اور توجہ سے پڑھتے ہیں اور فر فر سناتے ہیں اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی تین چار سال کی مسلسل محنت اور ریاضت کے نتیجے میں اسلامی تعلیم و تربیت کے مذکورہ بالا مضامین میں ایسی اچھی استعداد اور صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں جسے بنیاد بنا کر اگلے تعلیمی مرحلے میں ان کی بہتر اور معیاری تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔

سال اوّل کے پہلے مضمون میں جمود:

اس کے بعد بچوں کی ایک بڑی تعداد عربی زبان سیکھنے اور اسلامی تعلیم کے حصول کی غرض سے اسلامی مدارس میں داخل ہوتی ہے جہاں وہ سال اوّل کا تعلیمی نصاب پڑھتے ہیں۔ جس کا سب سے اہم اور پہلا مضمون ترجمہ قرآنِ کریم کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی تدریس یوں ہوتی ہے کہ سبق کے آغاز پر ایک طالب علم مقررہ آیات کریمہ تلاوت کرتا ہے، پھر معلم ان کا مقامی زبان میں ترجمہ سکھاتا ہے۔ وہ ان کا ترجمہ کرتے ہوئے ان میں مذکور مشکل الفاظ اور ترکیبوں کی حسب ضرورت تشریح بھی کرتا جاتا ہے۔ طلبا اس ترجمہ اور تشریح کو نہایت توجہ اور انہماک سے سنتے اور یاد کر لیتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی تعلیم و تدریس کے اس نہج سے انہیں متعدد تعلیمی و تربیتی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

① ...... وہ قرآنِ کریم کی آیات کا معنی اور ترجمہ سیکھ لیتے ہیں۔

② ...... وہ قرآنِ کریم کے فہم و مطالعہ کی قدرت حاصل کر کے اس کے ارشادات اور احکام کو خود سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کے اہل ہوتے ہیں۔

③ ...... وہ قرآنِ حکیم کے الفاظ اور تراکیب کی لغوی اور صرفی و نحوی تشریح سے واقف ہوتے ہیں۔

ترجمہ قرآنِ کریم کی ایسی تدریس سے ہمارے بچوں اور نوجوانوں اور علماء کو مذکورہ بالا فوائد اور نتائج حاصل ہوتے ہیں لیکن یہ فوائد محدود اور ناکافی ہیں، اور ہمارے عزیز بچوں کی اعلیٰ اور معیاری تعلیم و تربیت کے تمام اہداف اور مقاصد کا احاطہ نہیں کرتے۔ اس لیے یہ طریقہ تدریس کچھ مفید ہونے کے باوجود ناقص ہے۔ اور اس ناقص اور جامد طریقہ تدریس کا تسلسل زیر تعلیم طلبا میں جمود پیدا کرتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ہماری درسگاہوں میں تعلیم قرآن کریم کا یہ عظیم ترین مضمون اس کی آیات کریمہ کا لفظی ترجمہ رٹنے اور رٹانے تک محدود رہتا ہے اور تین چار سال تک کسی تبدیلی یا ترقی کے بغیر اسی نہج پر چلتا رہتا ہے، اور ایسا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا کہ اس کی تدریس کے دوسرے سال یا اگلے سالوں میں، جب زیر تعلیم طلبا کی تعلیمی صلاحیت اور فکری و علمی معیار بڑھ جاتے ہیں اس کے تدریس نہج کو ترقی دیتے ہوئے اس میں مزید تعلیمی و تربیتی مقاصد کو شامل کر لیا جائے۔

ترجمے نے سب کو عربی زبان سے لاتعلق کر دیا:

اس جامد طریقہ تدریس نے ہمارے پورے تعلیمی ڈھانچے کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ درس نظامی کے تمام مضامین کی تدریس، شروع سے لے کر آخر تک اسی نہج پر ہوتی ہے۔ اس نے ہمارے تمام طلباء، طالبات، مدرسین اور علماء کو قرآنِ کریم کی زبان ...... لسان عربی مبین ...... سے لاتعلق کیا ہوا ہے۔ وہ اس کے فہم و مطالعہ سے محروم رہتے ہیں اور انہیں قرآنِ کریم کے الفاظ، ترکیبوں، محاوروں اور استعمالات میں تدبر اور غور و فکر کی تربیت دی جاتی ہے، نہ ان کے لکھنے اور بولنے اور متنوع استعمالات کی مشق کرائی جاتی ہے۔ اس طرح وہ کتاب اللہ کے حافظ اور عالم ہونے کے باوجود عربی زبان میں کوئی صلاحیت حاصل نہیں کر پاتے۔ یوں قرآنِ کریم کی تعلیم و تدریس میں اس جمود اور کاہلی نے عرصہ دراز سے ہمارے عزیز بچوں، نوجوانوں، مدرسین، علماء، مفکرین اور تمام تعلیم یافتہ طبقوں کو عربی زبان سے لاتعلق اور محروم رکھا ہے۔ اس لیے یہ طریقہ تدریس، جو ہمارے ملک اور خطے کے تمام ممالک کے اسلامی مدارس میں جاری و ساری ہے ناقص اور مضر ہے۔ ضرہ اکبر من نفعه اس کے مضر اثرات کی مزید تفصیل دوسری جگہ ملاحظہ کریں۔

چناں چہ سالِ اوّل کا یہ نقص اگلے تعلیمی مراحل میں بھی تعلیم و تربیت کے مقاصد کو متاثر کرتا ہے اور پورے درس نظامی کو سالِ اوّل سے لے کر سال ہشتم تک عربی زبان و ادب سے لاتعلق رکھتا ہے، اور اس

پر عظیم مفکر شیخ سعدی رحمہ اللہ کا یہ شعر صادق آتا ہے ع

خشت اوّل چو نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

خشت اوّل کو سیدھا کریں:

یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے کہ قرآنِ کریم کی عربی زبان نہایت آسان اور سلیس ہے اور اس کی آیات کریمہ میں آسان اور مشہور لفظوں، مختصر اور عام فہم محاوروں، ترکیبوں اور جملوں کا استعمال بکثرت ہوا ہے۔ ہم زیر تعلیم بچوں کے مرحلے اور معیار کے مطابق ان سے ایسا انتخاب کرسکتے ہیں جو انہیں قرآنی عربی زبان کے فہم، نطق، تحریر اور سماع کی اچھی تربیت دے اور انہیں گرامر کی بھول بھلیوں میں نہ ڈالے۔ اس طرح بچے قرآنِ کریم کے ترجمہ یا فہم ومطالعہ کے ساتھ ساتھ اس کے عربی لغت کے فہم ومطالعہ، بول چال اور تحریر کی تربیت پائیں گے اور سال اوّل ہی سے عربی زبان کے پڑھنے بولنے اور لکھنے کی مشق کرنے لگیں گے جو ان کے ذہنوں اور دلوں میں عربی زبان وادب کے اچھے ذوق کی بنیاد بنے گی۔

یہ ہمارے مدارس میں اسلامی تعلیم کا پہلا سال ہے۔ کمسن بچے بڑے شوق سے اور اچھے اچھے جذبوں کے ساتھ عربی زبان سیکھنے اور اسلامی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آتے ہیں اور اپنا تعلیمی سفر شروع کرتے ہیں۔ یہ ان کی بہتر تعلیم اور عمدہ تربیت کی بنیاد رکھنے کا سنہری وقت ہوتا ہے۔ آیئے ہم اس کا آغاز قرآنِ کریم کی معیار اور مثالی تعلیم سے کریں۔

بچے خواہ مدارس کے عربی کورس میں داخلہ لیں یا تجوید القرآن الکریم کورس یا تحفیظ القرآن الکریم کورس میں داخل ہوں ان سب کو ان کے اپنے اپنے مضمون ترجمہ قرآنِ کریم/ تجوید/تحفیظ کے ساتھ ساتھ لغت قرآنِ کریم کی تعلیم وتربیت ضرور دی جائے۔

کمسن بچوں کو قرآنی عربی زبان کی تعلیم دینا آسان ہے:

ہم سب جانتے ہیں کہ اسلامی مدارس کے طلبا خواہ قرآنِ کریم کا ترجمہ پڑھتے ہوں یا اسے حفظ کرتے ہوں یا اس کی تجوید وقراءت کی تعلیم وتربیت پا رہے ہوں، وہ سب قرآنی آیات اور سورتوں کو بار بار اور تکرار سے پڑھتے رہتے ہیں۔ اس لیے انہیں قرآنِ کریم کے الفاظ، ترکیبات، استعمالات اور جملے زبانی یاد ہوجاتے ہیں۔ یوں اس تعلیمی مشق کے دوران ان کے ذہنوں میں عربی زبان کا ''نہایت وسیع اور عمدہ ذخیرۂ لغت'' محفوظ ہوجاتا ہے۔ یہ محفوظ ذخیرۂ لغت ان بچوں کو عربی زبان کی تعلیم وتربیت دینے کی اچھی بنیاد بن سکتا ہے۔

اس ''وسیع اور عمدہ ذخیرۂ لغت'' کو محفوظ کرنے والے ان طلباء کے فکری پہلو پر بھی غور کریں۔ وہ دین اسلام کے طلبا ہیں اور اس کے سچے عقائد اور پختہ احکام وآداب کی تعلیم پا رہے ہیں۔ نتیجتاً وہ وسیع فکر ونظر کی تربیت حاصل کررہے ہیں۔ الغرض وہ لسانی اور فکری دونوں پہلوؤں سے عمدہ تعلیم وتربیت لینے کے اہل ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ انہیں عربی زبان کی عمدہ اور مؤثر تعلیم وتربیت دینے کا بہت سنہری موقع ہوتا ہے۔

عربی زبان کی تدریس کا موزوں ترین موقع:

بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ بغدادی قاعدہ رٹنے کے بعد قرآنِ کریم کو حفظ کرنے والے بچوں کو عربی زبان کی تدریس کا یہ ایسا آسان اور عمدہ موقع ہوتا ہے جس کی مثال دوسری زبانوں کے تدریسی پروگراموں میں نہ ملے گی۔ اب یہ ہمارے تعلیمی نظام، مدارس اور معلّمین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس آسان، مثالی اور عمدہ موقع سے استفادہ کرتے ہوئے انہیں عربی زبان کی اچھی اور عمدہ تدریس کا اہتمام کریں۔

قرآنی عربی زبان کی تعلیم کیسے دی جائے؟

میں اپنی تجاویز کے مطابق پہلے سورہ فاتحہ کی تدریس کی مثال بیان کرچکا ہوں، اب یہاں سورہ بقرہ کی پہلی پانچ آیات کریمہ کی تدریس کی مثال پیش کرتا ہوں۔

① ......شرح الکلمات:

معلم ہر سبق کے شروع میں مقررہ آیات کریمہ کے الفاظ اور ترکیبوں کی لغوی تشریح کو تختہ سیاہ پر لکھے تاکہ بچے اسے یاد کریں اور اپنی کاپیوں میں درج کریں۔

سُورة: سورت، ج: سُوَر، الصَّلٰوة: نماز، ج: صَلَوات، ذٰلِكَ: وہ، ج: أُولَائك، رَزَقْنٰهُمْ: ہم نے انہیں دیا، الْكِتٰبُ: کتاب، ج: کتب، رَزَق يَرْزُق رِزْقًا: دینا، هُدًى: ہدایت، هَدَى يَهْدِى هُدًى، يُنْفِقُوْنَ: وہ خرچ کرتے ہیں، لِّلْمُتَّقِيْنَ: پرہیزگار، م: مُتَّقِى، أَنْفَقَ يُنْفِق اِنْفاقًا: خرچ کرنا، يُؤْمِنُوْنَ: وہ ایمان لاتے ہیں، يُوْقِنُوْنَ: وہ یقین کرتے ہیں، آمَنَ يُؤْمِنُ اِيْمانًا (ب): ایمان لانا، أيقَن يُوقِن اِيْقانا: یقین کرنا، يُقِيْمُوْنَ: وہ قائم کرتے ہیں، الْمُفْلِحُوْنَ: فلاح پانے والے، م مُفْلِح، أَقَامَ يُقِيْمُ اقامة: قائم کرنا۔

②......ترجمة الآيات وشرحها:

اس کے بعد معلم ان آیاتِ کریمہ کا مقامی زبان میں ترجمہ کرے گا اور بچوں کے معیار کے مطابق ان کی تشریح کرے گا۔

③......التمرينات المتنوعة:

اب معلم ان آیاتِ کریمہ پر متنوع سوالات کو حل کرنے کی مشقیں زبانی اور تحریری دونوں طرح حل کرائے۔

(١) اكتب أضداد الكلمات الآتية: ويكون الجواب:

مدنية	مدنية ضدها مكية
الكافر	الكافر ضده المؤمن
الدنيا	الدنيا ضدها الآخرة
الغيب	الغيب ضده الشهادة
السماء	السماء ضدها الأرض
أمام	أمام ضده خلف
قبل	قبل ضده بعد

(٢) املإ الفراغ بكلمة مناسبة فيما يأتي:

١...... سورة الفاتحة ...... وسورة البقرة مدنية

٢...... المؤمنون يؤمنون ......

٣...... ويُقيمون ......

٤...... ويُنفقون ...... أموالهم

٥...... ويؤمنون ...... أنزل على محمد ﷺ

٦...... ويؤمنون ...... أنزل من قبله

(٣) املإ الفراغ بكلمة مناسبة فيما يأتي:

١...... هو آمَنَ بالله

٢...... هما ...... بالله

٣...... هم ....

٤...... هِيَ ....

٥...... هُمَا ....

٦...... هُنَّ ....

٧...... أنا ....

٨...... نَحنُ ....

(٤) أجب عما يأتي:

١...... من خَلَقنا؟

٢...... من خَلَق السماء؟

٣...... من خَلَق الأرض؟

٤...... من خَلَق العالم؟

٥...... من أنزَل القرآن الكريم؟

٦...... على مَن أُنزِل القرآن الكريم؟

(٥) لخص معنى هذه الآيات الكريمة بعبارتك

الجواب: ذكر الله سبحانه وتعالى فى هذه الآيات الكريمة أنه أنزل هذا القرآن ليهدى الناس إلى الصراط المستقيم، وذكر خمس صفات لعباده المؤمنين، وهى:

١...... أنهم يؤمنون بالغيب

٢...... ويقيمون الصلاة

٣...... وينفقون من أموالهم فى سبيل الله

٤...... ويؤمنون بما أنزل على محمد ﷺ وما أنزل قبله

٥...... ويؤمنون بالآخرة

وهؤلاء هم على الحق وهم المفلحون۔ اللهم اجعلنا منهم، آمين ۔

فوائد:

آپ دیکھتے ہیں کہ اس طریقۂ تدریس میں زیر تعلیم بچے ترجمہ قرآن کے ساتھ ساتھ پہلے مقررہ آیات کریمہ میں مستعمل الفاظ کی اچھی لغوی تشریح لکھتے اور یاد کرتے ہیں اور پھر قرآنِ کریم کی لغت کو لکھنے، بولنے اور سننے کی متنوع اور عمدہ مشقیں کرتے ہیں جو ان کے ذہنوں میں عربی زبان وادب کی اچھی بنیاد بنے گی، اور کتاب اللہ کے اعلیٰ فہم وتدبر کی اہلیت پیدا ہوگی جو مستقبل میں ان کی تعلیمی اور علمی ترقی کا ذریعہ ہوگی۔

شعبہ تجوید اور تحفیظ میں تین پاروں کی تدریس کرائی جائے:

ہماری درس گاہوں میں اس وقت شعبہ تحفیظ القرآن الکریم اور شعبہ تجوید القرآن الکریم کے طلبا کو کسی طرح کے فہم کے بغیر قرآنِ کریم کی تعلیم دی جاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ عمر بھر اس کے فہم سے محروم رہتے ہیں اور امام اور مقری مقرر ہونے کے بعد بھی اس کی لغت اور معانی کو سمجھے بغیر پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ تمام علماء اور معلّمین تسلیم کرتے ہیں۔ یہ امر کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہے۔ اس لیے ان دونوں شعبوں کے طلبا کو بھی کم از کم تین پاروں کی تدریس ضرور کرائی جائے۔

میرے اس مجوزہ طریقہ تدریس پر عمل کرنے سے ان کے ذہنوں میں قرآنِ کریم کے اچھے فہم ومطالعہ کی راہ ہموار ہوگی، جس سے انہیں ان مضامین یعنی تجوید اور حفظ میں بھی بڑی آسانی ہوجائے گی کہ وہ اب قرآنِ کریم کو سمجھ کر پڑھیں گے تو نسبتاً کم مدت میں حفظ کرسکیں گے اور فراغت کے بعد مستقبل میں اپنی ذمہ داریوں کو فہم وبصیرت کے ساتھ ادا کرنے کے اہل ہوں گے، اور ضرورت کے وقت آسانی سے علوم اسلامیہ کے شعبوں میں داخلہ لے کر مزید ترقی کرسکیں گے۔

میں اپنے طویل غور وفکر اور تجربات کی روشنی میں تعلیم وتربیت کی یہ تجویز اسلامی مدارس کے اربابِ اختیار، مدرسین، علماء اور وفاقوں کے افسران بالا کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ یہ تجویز آسان اور قابل عمل ہے۔ اس کے نفاذ سے ہمارے اداروں کے تعلیمی نظام میں ایسا انقلاب آئے گا جو ان کی ترقی کا ذریعہ بنے گا اور ہمارے فاضل اساتذہ اور معلّمین بھی اس سے مستفید ہوں گے۔ ان شاء اللّٰہ تعالٰی وهو الموفق والمستعان

کیا یہ طریقہ تدریس قابل عمل ہے؟

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے اسلامی مدارس اور جامعات کے موجودہ حالات میں جب ہمارے معلّمین اور طلباء میں بالعموم عربی زبان بولنے اور لکھنے کا ذوق ناپید ہے اور ہمارے ملک اور ماحول میں ایسی کتابیں اور گائیڈز بھی موجود نہیں ہیں جو تعلیم وتدریس کے اس جدید طریقے میں معاون اور مفید ہوں، تو ہم اس طریقہ تدریس پر عمل کیسے کریں؟

اصولی طور پر یہ طریقۂ تدریس آسان، فطری اور قابل عمل ہے۔ پہلے ہمیں اپنے فاضل اور محنتی معلّمین اور طلباء کو اس کے فوائد اور دوررس نتائج اور ثمرات سے آگاہ کرتے ہوئے اس کے نفاذ اور ترویج کی اہمیت کو واضح کرنا چاہیے۔ معلّمین کو دعوت دی جائے بلکہ انہیں شوق اور ترغیب دی جائے کہ وہ اپنی عظیم درس گاہوں اور اپنے عزیز بچوں کی ترقی کے اس پروگرام پر عمل کرنے کی تیاری کریں اور اپنے ماحول اور ادارے میں عربی زبان کو بولنے اور لکھنے کی روایت اور صلاحیت کو بیدار کریں۔ ان میں یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے لیکن کبھی استعمال نہ کرنے سے خوابیدہ رہتی ہے۔

اصولی طور پر تو یہ حضرات قرآنِ کریم کے وسیع ذخیرۂ لغت کے حافظ ہوتے ہیں، اس کے علاوہ وہ حدیث شریف کی صحاح ستہ، عظیم فقہی متون، عربی زبان وادب کی متنوع کتابوں کے سمندر ناپیدا کنار کے عالم وفاضل ہوتے ہیں اور انہیں اس سمندر کے ہیروں ایسے بے شمار محاورے، استعمالات، جملے، اصطلاحات، لطیفے اور اشعار اور عبارتیں ازبر ہوتے ہیں۔ ان کی اس عظیم لسانی اور فکری اہلیت وصلاحیت کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس بارے میں ہمارے اداروں، منتظمین اور اساتذہ کو خواہ مخواہ احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ پورے شوق اور عزم کے ساتھ محنت سے اس نقص کا ازالہ کرنا چاہیے۔ اس بارے میں مزید تجاویز یہ ہوسکتی ہیں:

①......اپنے ادارے میں ایک دو گھنٹے کا ایسا وقت مقرر کردیں جس میں تمام معلّمین اور زیرِ تعلیم بچے صرف عربی زبان میں ہی بات کریں مثلاً **بعد صلاة المغرب حتى صلاة العشاء** یا صبح من **بعد صلاة الفجر حتى الساعة الثامنة** منتظمین ایسے کسی پروگرام کی سرپرستی کریں اور معلّمین اور طلباء کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہیں معاون کتابیں اور گائیڈز فراہم کریں۔ اس بارے میں ہمارا رسالہ **كلمات مستعملة فى بيئة مدرسية** (درس گاہ کے ماحول میں مستعمل عربی الفاظ اور محاوروں کا انتخاب) للبنین یا للبنات مفید رہے گا۔

②......قرآنِ کریم کی تعلیم کے سبق میں اس طریقۂ تدریس کو فوراً شروع کردیں۔ اس کی تدریس کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور دلچسپ بنانے کے لیے اس کی ایک دن پہلے تیاری کرکے آئیں۔ شروع میں کافی دقت پیش آئے گی اور کچھ غلطیاں ہوں گی۔ ان سے بددل نہ ہوں۔ راہنمائی کے لیے ہماری کئی مطبوعات مثلاً **مفتاح الانشاء الجزء الأول والجزء الثانى** معاون ثابت ہوسکتی ہیں، ان شاءاللہ

③......ہر معلم سے درخواست کریں کہ وہ کم از کم اپنا ایک سبق عربی زبان میں ضرور پڑھائے جس سے ان کی اپنی صلاحیت میں اضافہ ہوگا اور بچوں کی تربیت اور مشق ہوگی۔

مرشد تدریس القرآن کی تیاری:

آخر میں یہ خوش خبری دینا چاہتا ہوں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے **معهد اللغة العربية** میں کئی سال سے اسی طریقۂ تدریس کے مطابق قرآنِ کریم کی تدریس کررہے ہیں اور معلّمین کے لیے اس کی گائیڈ **مرشد تدريس القرآن الكريم** کی تیاری کا کام ہورہا ہے۔ جس کے پہلے اجزاء آئندہ چار پانچ ماہ تک طبع ہوجائیں گے، **ان شاء الله تعالى وبيده التوفيق**۔



نقطۂ نظر

یہ آزادی کیسی آزادی ہے؟

عبدالعظیم جواد (میاں چنوں)

جیسے ہی ماہِ اگست شروع ہوتا ہے ہر طرف ایک غوغا مچ جاتا ہے کہ تمام اہالیانِ پاکستان کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آزادی مبارک ہو۔ اور پھر اس آزادی کو مبارک بنانے کے لیے، گلی محلوں اور چوکوں چوراہوں پر آزادی کی رنگا رنگ جھنڈیاں سجائی جاتی ہیں۔ پروگرامز اور مجالس ومحافل کا انعقاد ہوتا ہے۔ موبائلز پر آزادی کے پیغامات کی بھرمار ہوتی ہے۔ تقاریب اور الیکٹرانک وپرنٹ میڈیا کے ذریعے عوام الناس کے قلوب واذہان میں یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ ہم سب آزاد ہیں، خودمختار ہیں، ہمارا اک الگ ملک اور تشخص ہے۔ ہم جو چاہیں کریں ہماری روک ٹوک کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ تو ہم مظلومانہ زندگی بسر کرتے تھے آج ہم آزاد ہیں۔

اس طرح کے اور بھی بہت سے کلمات عوام کے کانوں میں ڈالے جاتے ہیں۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ یہ ماہِ مبارک ہمارے لیے کیا پیغام لاتا ہے۔ ہم نے یہ خطہ کیوں اور کیسے حاصل کیا ہے؟

اگر ذرا سا بھی غور وفکر سے کام لیا جائے تو یہ سمجھنا محال نہیں ہے کہ ماہِ اگست جہاں ہمارے لیے بے پناہ خوشیاں لاتا ہے وہیں پاکستان کے ماضی کو بھی آواز دیتا ہے کہ اس آزادی کی پاداش میں مسلمانانِ برصغیر پر کتنے ظلم وستم کیے گئے۔ کتنے ہی لاشے تڑپائے گئے اور کتنے بے گناہ معصوموں کو نیزوں کی انیوں پر اچھالا گیا۔ اور کتنی ہی عزت مآب بہنیں اور مائیں ایسی تھیں جنہوں نے اپنے دامن کو داغ دار کرنے کی بجائے خودکشی جیسے قبیح عمل کو اپنایا۔ کتنی ہی مساجد ومدارس کو منہدم کیا گیا، ہم ان ابتلاؤں کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ان مصائب کا انداہ صرف ان بزرگوں کو ہے جنہوں نے یہ خون کا دریا خود پار کیا۔

افسوس صد افسوس! مملکت خداداد میں ۶۲ برس گزرنے کے باوجود بھی وہ نظام نافذ نہ ہوسکا جس کے لیے یہ تمام مصائب وتکالیف برداشت کی گئیں اور نہ ہی ہمارے حکم رانوں نے کبھی اس کی طرف توجہ دی۔ سابقہ حکومتوں میں پھر بھی کچھ ایمان کی رمق موجود تھی جس کی وجہ سے وہ حدود اللہ اور شعائر اللہ کا مذاق اڑانے سے باز رہے۔

یہ الگ بات ہے کہ پاکستانی عوام کو ایسے حکم ران بھی نصیب ہوئے ہیں کہ جنہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اذان ایک مقدس پکار اور صدا ہے جو بجتی نہیں بلکہ دی جاتی ہے۔ سابقہ حکم ران تو ان اذان بجانے والوں سے بھی چار ہاتھ آگے نکل گئے تھے۔ مساجد ومدارس کو آتش وآہن میں تڑپا کر، قرآنی آیات اور احادیث نبویہ ﷺ اور انسانیت کی اس انداز سے توہین کی گئی کہ قرآنی اوراق اور انسانی اعضاء اور معصوم بچیوں کے خون آلود آنچل کو گندے نالے میں پھینک دیا۔ آج وہ بزرگ کیوں نہ روئیں، تڑپیں جنہوں نے یہ ملک بے پناہ قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا۔

ذرا سوچئے کہ کیا آج ہم آزادی کا جشن منا کر ان بزرگوں کے زخموں پر نمک تو نہیں چھڑک رہے؟ یقیناً ایسا ہی کر رہے ہیں ہم نے ان کی قربانیوں کی اور ان کے خون کو رائیگاں کر دیا۔ آج اسی ملک میں جسے خالصتاً نفاذ اسلام کے لیے حاصل کیا تھا حدود اللہ کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ مساجد ومدارس پر پابندیاں لگا کر فحاشی وعریانی کے اڈوں کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ نصابِ تعلیم کو بدل کر قرآنی آیات کی جگہ فحش مضامین شائع کیے جا رہے ہیں۔ آج ہماری یہ حالت زار دیکھ کر وہ مقدس روحیں نوحہ کناں ہیں کہ کیا ہم نے یہ پاکستان صرف اس لیے حاصل کیا تھا کہ اس میں لہو ولعب کیا جائے؟ کیا ہندوستان میں رہتے ہوئے یہ سارے کام نہ کر سکتے تھے؟ وہ اپنی قربانیوں کا حق ہم سے طلب کر رہے ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ ہم اگر جشن منائیں بھی تو کس خوشی میں؟ ہم تو ابھی تک غلام ہیں۔ ہمارے قلوب واذہان، فکر وافکار، خیالات ونظریات ابھی تک انگریزوں کے پاس ہیں۔ یہود وہنود سینکڑوں میل دور بیٹھے بھی ہمارے اوپر حکمرانی کر رہے ہیں۔ اور اب حد تو یہ ہے کہ جو سیاسی آزادی حاصل کی تھی وہ بھی ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ امریکا اس حد تک ہمارے کاموں میں دخیل ہو گیا

ہے کہ چھوٹے چھوٹے فیصلے بھی ہالبروک کے اشارہ ابرو پر کیے جاتے ہیں۔

اس کے بعد بھی اگر ہم آزادی کا ڈھنڈورا پیٹیں تو ہماری عقلوں پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔

ہاں اگر ہم اس خطہ میں آزاد ہیں تو اس کلمہ کے معانی ومفہوم سے جس کے نفاذ کے لیے یہ حاصل کیا گیا۔ قرآن کی تعلیم وتعلم سے، اسلامی حدود وقیود سے، عدل وانصاف سے، جہاد وقتال، صوم وصلوٰۃ اور شرم وحیا اور ادب آداب جیسے شرعی امور سے۔ اس ملک میں چور، ڈاکو، راہزن اور لٹیرے، اقتدار پر قبضہ جمانے والے سب آزاد ہیں۔ اگر آزاد نہیں تو عوام الناس جن کی نہ جان محفوظ نہ مال محفوظ نہ عزت۔ یہ کیسی آزادی ہے؟

اس قوم میں ہے شوخیٔ اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد

ہم یہ آزادی کس خوشی میں منائیں ہمارا نوجوان جو کہ ملک وملت کا سرمایہ ہے۔ یہود ونصاریٰ کی نقالی میں فخر محسوس کرتا ہے۔ اس کا لباس فراش، وضع قطع، طور اطوار، گفتار کردار اور چال چلن مغربی کلچر کی بھونڈی نقالی ہے۔ اس نوجوان میں جذبہ جہاد پیدا کرنے کی بجائے اس کو بزدل بنایا جارہا ہے۔ اس ملک کے شاہینوں اور شہبازوں کو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں تبدیل کیا جارہا ہے۔ افسوس کہ

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ہمارے اسلاف نے یہ تمام کوششیں نفاذِ لا اِلٰہ الا اللہ کے لیے کی تھیں۔ کسی شاعر نے ان کی کوششوں کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

یونہی بڑھتے رہے چراغ تمنا جلا کے ہم
ہر قدم پر گرچہ مخالف ہوا چلی

لیکن ہم نے ان کی محنتوں پر پانی پھیرا اور لہو ولعب میں مشغول ہوگئے۔ پاکستانی بنت حوا کو دیکھئے وہ بھی شرم وحیا سے آزاد، کاسیات عاریات، مائلات، ممیلات کی عملی تصویر نظر آتی ہیں۔ امہات، صحابیات، مقدسات، مطہرات رضی اللہ عنہم کے اسوہ سے بالکل ناواقف۔ کاش وہ جان لیں کہ ع

حجاب شرم و حیا زندگی ہے عورت کی
جو یہ نہ ہو تو برابر ہے وجود و عدم

بنت حوا کو اتنی آزادی ملی کہ وہ ترقی پسندی کی آڑ میں یہ بھی بھول گئی کہ اسے اس کے ربّ نے حجاب، لباس، ستر، غض بصر کا حکم دیا ہے، وہ ریستورانوں میں دل بہلانے، دفاتر میں پرسنل سیکرٹری اور چوکوں چوراہوں کی رونقیں دوبالا کرنے میں مصروف ہے۔ کیوں کہ یہ آزاد ہے۔ بتائیے یہ کیسی آزادی ہے......؟؟

علم حاصل کرنا ضروری ہے لیکن......

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اس علم کو اربابِ نظر موت

عورت کی بھلائی صرف دین فطرت پر عمل پیرا ہونے میں ہے:

دست مغرب نے کیا ہے پاک حیا کا آنچل
بنت معصوم کو زہرا کی ردا دی جائے
بچا لے اے اللہ مومنہ کو مغرب پرستی سے
بچا لے اس شمع کو بادِ فنا کی چیرہ دستی سے

آیئے ذرا جائزہ لیں کہ ہم نے ۶۲ سالہ دور میں کیا پایا اور کیا کھویا......؟؟ تو قارئین کرام ہم نے بددیانت سیاست دان پائے۔ جنہوں نے اپنے مفاد کی خاطر ملک کو دولخت کردیا۔ ہم نے چوری، ڈکیتی اور دہشت گردی میں ترقی پائی۔ ہم نے بے حیائی کا ماحول پایا۔ ہم نے غربت ومہنگائی میں اضافہ پایا، تعلیم یافتہ افراد کو بے روزگار پایا، سفارش ورشوت پر نوکریاں پائیں۔ کچھ اچھا پایا تو صرف زلزلہ زدگان کی ہمدردی کا جذبہ اور ایٹم بم پایا۔ ہم نے کھویا ہے تو جید علماء کو کھویا جذبہ جہاد کو ترک کرکے ذلت وپستی کو پایا اور وہ مسلمانی رعب ودبدبہ کھودیا جس سے قیصر وکسریٰ کی سلطنتیں کانپ اٹھتی تھیں۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب مل بیٹھیں اور سوچیں کہ ہم نے یہ خطہ کس لیے، اور کیسے حاصل کیا تھا اور ہم نے اسے کیا بنادیا ہے۔

یہ پاکستان ہے، پاک زمین ہے، یہاں نظام بھی پاک ہونا چاہیے۔ اسلام پاکیزگی کا علمبردار ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ پاکستان میں اسلامی قوانین اور شرعی حدود وقیود کو نافذ کریں اور ان کا ادب واحترام بجالائیں۔ تب جاکر ہم حقیقی طور پر آزاد ہوں گے۔

اللھم ارحم علی احوالنا ولا تنظر الی سوءِ اعمالنا۔



تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

قرض کے فضائل ومسائل

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ
ضخامت: ۲۵۵ صفحات
قیمت: ۲۲۵ روپے
ملنے کا پتا: مکتبہ قدوسیہ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-37351124
تبصرۂ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

انسان اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔ بسا اوقات وسائل کی کمی اس کی راہ میں آڑے آتی ہے اور کسی شخص یا ادارے سے قرض بھی لینا پڑتا ہے۔ کسی کو قرض دینا یا ایک انسان کا دوسرے انسان پر احسان ہے۔ چاہیے تو یہ کہ قرض خواہ کو مقررہ مدت میں یہ قرض واپس کرنا چاہیے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرض لینے والا اس پوزیشن میں نہیں ہوتا کہ قرض بروقت واپس کر سکے تو اسلام نے یہ ہدایت دی ہے کہ قرض خواہ مقروض کو اس کی آسانی تک مہلت دے۔ اس کتاب میں قرض دینے اور لینے کے لیے جو احکامات دیئے ہیں۔ ان کو زیر نظر کتاب میں بڑی تفصیل سے جمع کر دیا گیا ہے۔

کتاب کے تیار کرنے میں بڑی محنت وجستجو کی گئی ہے۔ آیاتِ شریفہ اور احادیث مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے کتب تفسیر اور شروح حدیث متقدمین ومتاخرین علماء کی کتب فقہ سے مقدور بھر استفادہ کیا گیا ہے۔

کتاب کو دس مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن کے عناوین درج ذیل ہیں:

① ...... قرض اور اس کی شرعی حیثیت
② ...... قرض دینے اور مقروض کے ساتھ حسن معاملہ کی تلقین
③ ...... ادائیگی قرض کی تلقین
④ ...... قرض کی واپسی کے لیے قانونی اقدامات
⑤ ...... ادائیگی قرض کو یقینی بنانے کے لیے بعض تدبیریں
⑥ ...... نادار مقروض کی اعانت
⑦ ...... ادائیگی قرض میں تاخیر پر تجویز کردہ دو سزاؤں کی شرعی حیثیت
⑧ ...... قرض کے ساتھ کوئی اور شرط لگانا
⑨ ...... قرض کی زکوٰۃ
⑩ ...... بنک کارڈز اور ان کی شرعی حیثیت

اس طرح یہ کتاب کاروباری طبقے کے لیے ایک بہترین راہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب خوب صورت ٹائٹل، مضبوط جلد، عمدہ ونفیس کاغذ، کمپیوٹر کمپوزنگ ہے۔

نبی کریم ﷺ بحیثیت والد

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ
ضخامت: ۱۷۰ صفحات
خصوصیات: مضبوط جلد، عمدہ سفید کاغذ، خوب صورت ٹائٹل، کمپیوٹر کمپوزنگ
ناشر: دار النور، اسلام آباد
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

جنابِ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہم سب مسلمانوں کے لیے کامل نمونہ ہے۔ آپ ﷺ جہاں سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ وہاں آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے لیے اور اپنی بیٹیوں کے لیے بحیثیت والد سراپا مشفق اور مہربان ہستی تھے۔

زیر تبصرہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی جامع، مدلل اور مبسوط ہے۔ مصنف کتاب مولانا ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ نے اس کتاب کی

تیاری کے سلسلے میں بنیادی معلومات احادیث نبویہ سے حاصل کی ہیں۔ مختلف شروحاتِ حدیث سے استفادہ کر کے آسان اور عام فہم پیرائے میں حضور ﷺ کی ذات کو بحیثیت والد کے پیش فرمایا ہے۔

مصنف نے بحیثیت والد نبی کریم ﷺ کے بارے میں سترہ عنوانات کے تحت اولادِ نبی ﷺ سے محبت وعقیدت کا اظہار کیا ہے۔ آپ ﷺ اپنی اولاد اور پھر آگے اپنے نواسوں اور نواسیوں کے لیے سراپا شفقت تھے۔ آپ ﷺ اُن کے خوشی، کھیل کود، تعلیم وتربیت، دینی ودنیاوی معاملات وغیرہ میں مکمل معاون دکھائی دیتے تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ ایک کامیاب مصنف اور محنتی قلم کار ہیں۔ اسی طرح آپ ایک کامیاب خطیب بھی ہیں۔ ان کی خطابت اپنے موضوع پر شروع ہوتی ہے اور اپنے موضوع پر ہی ختم ہوتی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب درس پر مبنی ہے۔ جواب کتابی شکل میں پیش کی گئی ہے۔ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور سے یہ کتاب حاصل کی جاسکتی ہے۔

پاکیزہ شہد پاکیزہ زندگی

مصنف: ملک بشیر احمد
ضخامت: ۲۲۳صفحات
قیمت: ۱۵۰روپے
ناشر: مولانا شفیق الرحمٰن فرخ، ہدیٰ اکیڈمی سٹریٹ۳۴۳ گلزیب کالونی سمن آباد لاہور
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت شہد بھی ہے۔ شہد کا ذکر قرآنِ کریم کی سورۂ نحل کی آیت ۶۹ میں اس طرح آیا ہے۔ ''اُن (شہد کی مکھیوں) کے پیٹ سے ایک مشروب (شہد) نکلتا ہے جو کئی رنگوں میں ہوتا ہے، اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔''

زیر تبصرہ کتاب میں شہد کی فضیلت، شہد سے علاج، شہد کی اقسام، شہد استعمال کرنے کے طریقے اور اس کے متعلق بیش بہا معلومات ہدیہ قارئین کی گئی ہیں۔

کتاب کے مصنف جناب ملک بشیر احمد حفظہ اللہ ایک تجربہ کار شہد کے تاجر ہیں۔ انہوں نے اپنی عمر عزیز کے گزشتہ ستر برسوں میں شہد سے متعلق اپنے تجربات کا نچوڑ آزمودہ کار نسخے اس کتاب میں جمع کر دیے ہیں۔

کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک حصہ جو صرف شہد کی افادیت واستعمال پر محیط ہے جو ۱۱۲صفحات پر مشتمل ہے۔

دوسرے حصے کو مصنف نے ''پاکیزہ زندگی'' کے عنوان سے مرتب کیا ہے۔ اس حصے میں اقوالِ زریں بڑی تحقیق وتدقیق سے جمع کر دیے گئے ہیں۔ مصنف کے گرامی قدر بیٹے جناب مولانا شفیق الرحمٰن فرخ صاحب جو ایک مدرس ومبلغ ہیں۔ اس کتاب کے مرتب کرنے میں انہوں نے اپنے والد محترم کا ہاتھ بٹایا ہے۔

بہرحال کتاب بڑی مفید معلومات کا خزینہ ہے۔ خوب صورت ٹائٹل ومضبوط جلد ہے۔ قیمت بڑی مناسب اور کمپیوٹر کمپوزنگ ہے۔

سہ ماہی نداء الاساتذہ، لاہور

زیر تبصرہ سہ ماہی ''نداء الاساتذہ'' مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کی طرف سے قائم کی گئی ''جمعیۃ اساتذہ پاکستان'' کا ترجمان جریدہ ہے۔ اس کا شمارہ جولائی ۲۰۰۹ء جلد۱، شمارہ ۳ پیش نظر ہے۔

۴۸صفحات پر مشتمل یہ جریدہ سلفی اساتذہ کے ساتھ ربط وضبط قائم کرنے کے لیے شائع کیا گیا ہے۔ کیوں کہ جماعتی زندگی اہل جماعت کے لیے ایک روح کی حیثیت رکھتی ہے۔

اساتذہ قوم کے معمار ہوتے ہیں اس لیے ان کی تربیت بھی ان کے پیش نظر ہے۔ اس شمارے میں امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث محترم حافظ ساجد میر حفظہ اللہ کا ایک انٹرویو بعنوان ''سوات آپریشن'' شائع کیا گیا ہے۔ اس کے بعد جناب مولانا حسن محمود کمیرپوری کا مضمون جمعیت اساتذہ پاکستان کی دعوت کے ضمن میں ہے۔ بہرحال یہ ایک اچھی کوشش ہے۔ ہم پاکستان کے اساتذہ سے پرزور سفارش کرتے ہیں کہ اس رسالہ کا مطالعہ کریں اور جماعتی تنظیم سے منسلک ہو کر قومی وجماعتی سیاست وتبلیغ میں معاون بنیں۔

خط وکتابت کے لیے پتا عبدالرحیم قریشی، ناظم دفتر جمعیت اساتذہ (مجلّہ نداء الاساتذہ) ۱۰۶۔ راوی روڈ لاہور ہے۔ [تبصرہ از محمد سلیم چنیوٹی]



پاکستان کا بھارت سے خطاب

ظاہری طور پہ گو میں ترا ہم پایہ نہیں
پر مجھے یہ تو بتا میں ترا ہم سایہ نہیں

بیج نفرت کے مِری خاک میں بوئے تو نے
سالہا سال اسی کام میں کھوئے تو نے

جذب و اُلفت کو اخوت کو مٹایا تو نے
میرے باشندوں کو آپس میں لڑایا تو نے

عزمِ مذموم کی تکمیل کرانے کے لیے
اک فلک بوس عمارت کو گرانے کے لیے

تو ہے نادان تجھے علم نہیں ہے اِتنا
میری ہستی کا ہر اک ذرّہ قوی ہے کتنا

میری بنیاد میں شامل ہے شہیدوں کا لہو
روزِ اوّل ہی سے عادت ہے مری خوں سے وضو

تری کوشش تری سازش سے بکھر بھی جاؤں
کوئی خطرہ نہیں مجھ کو جو میں مر بھی جاؤں

ظاہری طور پہ دنیا سے میں کٹ جاؤں گا
زندگی کا ورق ایک اور اُلٹ جاؤں گا

لیکن اس بات کو تو کیسے سمجھ پائے گا
تو جو بکھرا تو بکھرتا ہی چلا جائے گا

تیری تاریخ ہے شاہد کہ تو ہے بے بنیاد
جس کی بنیاد نہ ہو ، ہو کے رہے گا برباد

ذرّہ ذرّہ تیری ہستی کا بکھر جائے گا
اور پھر سوچ بکھر کر تو کدھر جائے گا؟

میں جو بکھرا تو بکھر کر بھی سمٹ جاؤں گا
اپنی بنیاد کی جانب میں پلٹ جاؤں گا

میری بنیاد کہ محفوظ بھی مضبوط بھی ہے
میرے ماضی سے مرے حال سے مربوط بھی ہے

[حافظ نعیم الحق نعیم]